از قلم مولانا عبدالمجید فارقلیط

عبد المجید فارقلیط صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت الامام الشیخ مولانا السید محمد یوسف البنوری الحسنی قدس سرہ العزیز

سلسلہ نسب : حضرت شیخ قدس سرہ نے مفتی غلام سرور کی کتاب خزینۃ الاصفیاء کے ابتدائی اوراق پر اپنے دست خاص سے اپنا جو نسب تحریر فرمایا ہے وہ اس طرح ہے۔

احقر محمد یوسف بن سید محمد زکریا بن سید مزمل شاہ بن سید میر احمد شاہ بن سید میر موسیٰ بن سید غلام حبیب بن سید محمد زکریا بن سید رحمت اللہ شاہ بن سید عبدالاحد بن حضرت سید محمد اولیاء بن سید السادات شیخ المشائخ صفوۃ الشجرۃ النبویہ معدن علوم الاولین والآخرین قطب الاقطاب سلطان العارفین حاجی الحرمین الشریفین مخزن اسرار الٰہی السید آدم بنوری (علیہ وعلی اولادہ الی یوم القیامۃ من اللہ الرحمۃ والرضوان) بن سید اسماعیل بن سید یہوا بن سید حاجی یوسف بن سید یعقوب بن سید حسین بن سید دولت بن سید قلیل بن سید سعدی بن سید قلندر کہ از فرزندان حضرت سید محمد کہ از اولاد اسماعیل ولد ابرہیم برادر خورد امام حضرت موسی بن امام حضرت موسی کاظم بن سید امام جعفر صادق بن سید امام باقر بن سید امام زین العابدین بن سید شباب اہل الجنۃ قرۃ العینین لرسول الثقلین الحسین بن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ (وامہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء بنت نبی الانبیاء محمد مصطفی احمد مجتبی علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ وازکی التحیات واتم السلام) انتہی بلفظہ۔

اس طرح نویں پشت کا سلسلہ نسب عارف محقق سید الطائفہ حضرت سید آدم بنوریؒ سے جا ملتا ہے حضرت سید آدم بنوریؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز کے اجلہ خلفاء میں سے تھے ریاست پٹیالہ میں سرہند کے قریب بنور نام کا ایک قصبہ ہے جسے حضرت سید آدم بنوریؒ کے مولد وطن ہونے کا شرف حاصل ہے بعد میں اسی نسبت سے آپ کی اولاد واحفاد بنوری کہلائی۔

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے والد ماجد فرماتے تھے کہ میں نے سرہند جاتے ہوئے راستہ میں قصبہ بنور کو دیکھا تھا حضرت سید آدم بنوریؒ کے مکان خانقاہ اور لنگر خانے کے آثار و باقیات ابھی تک موجود تھے۔ حضرت سید آدم بنوریؒ نے حضرت امام ربانیؒ کے فیوض و برکات سے حظ وافر پایا تھا۔ طالبان راہ ہدایت کی تربیت کا انہیں خاص ملکہ حاصل تھا، حضرت امام العصر انور شاہ کاشمیریؒ فرماتے تھے کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کے بعض ملکات اپنے شیخ سے بھی بلند تھے اور ان کا طریقہ زیادہ لطیف تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ

کے سیرت نگاروں نے حضرت خواجہ محمد معصومؒ کے بعد آپ کی جلالت مرتبت اور فخامت منزلت کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا محمود حسن خان ٹونکی نے آپ کا تعارف ان الفاظ میں کیا ہے۔

وھو اعظم خلفاء الشیخ احمد السرھندی وکان من اجلۃ الصوفیاء من اہل الصفاء وکان کبیر المشائخ لہ شان عال واحوال سامیۃ ولہ ید طولی فی تربیۃ المریدین الطلبۃ وکان یوصل اھل عالم السفلیٰ الی الملاء اعلیٰ فی ادنی مرۃ

آپ حضرت شیخ سرہندی کے سب سے بڑے خلیفہ اور اجل صوفیاء میں سے ہیں آپ کا مرتبہ بہت بلند اور احوال نہایت عالی ہیں۔اپنے مریدین اور طالبان راہ کی ہدایت، تربیت میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ بہت ہی کم مدت میں آپ اہل زمین کو ملاء اعلیٰ تک پہنچا دیتے تھے۔

اپنے ملکات قدسیہ اور احوالِ سامیہ کی وجہ سے آپ کے حلقہ بیعت وارشاد کو غیر معمولی وسعت ،شہرت اور قبولیت حاصل ہوئی آپ کی ذات عوام وخواص کے لئے رشد وہدایت کا مرکز بن گئی برصغیر پاک ہند کے دو عظیم دینی گھرانے یعنی خانوادہ ولی اللہی اور خانوادہ سید احمد شہیدؒ نے اپنے دلوں کی دنیا کے چراغ اسی منبع انوار وتجلیات سے روشن کئے ۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ سلسلہ آدمیہ کی طرف اپنی نسبت اور تعلق وانسلاک کا اظہار بڑے فخریہ انداز میں فرمایا کرتے تھے ۔ فرماتے تھے "ما آدمیان ایمُ" حضرت شاہ صاحبؒ اپنے گرامی مرتبت والد حضرت شاہ عبدالرحیم سے بیعت تھے ، حضرت شاہ عبد الرحیمؒ حافظ عبد اللہ صاحب سے اور حضرت حافظ عبد اللہ سید آدم بنوری سے بیعت تھے اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ کے جد امجد حضرت شاہ علم اللہ کا سلسلہ ارادات بھی حضرت سید آدم بنوری سے تھا ۔ برصغیر پاک ہند کے ان دو عظیم دینی گھرانوں کی لازوال مجاہدانہ دینی خدمات میں حضرت سید آدم بنوری کے فیوض وبرکات کو بڑا دخل ہے

ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ کو بھی اپنے اس نسبی اعزاز کا بڑا احساس تھا فرماتے ہیں :۔

میں ایک دن حضرت محدث کشمیری کے پاس بیٹھا ہوا "مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم" کے حوالے اسفارِ اربعہ سے نکال رہا تھا کہ مولانا حبیب الرحمان شیروانی تشریف لائے ۔ حضرت محدث نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے میرا تعارف کرایا کہ یہ حضرت آدم بنوری کی اولاد میں سے ہیں صاحب سواد ہیں یہ جو کام کررہے ہیں مشکل کام ہے ۔ میرا ایک قصیدہ ہے جس کا موضوع اثبات باری تعالی ہے لیکن مجھے اس نام میں شناعت معلوم ہوئی اس لئے "مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم" نام رکھا ہے یہ صاحب اس کے حوالے نکال رہے ہیں ان کے خاندان میں حضرت آدم کی بعض کتابیں بھی ہیں مزید فرماتے ہیں میں جب دیو بند گیا تو اساتذہ دار العلوم نے عزت واحترام سے میری پذیرائی کی اور کہا گیا کہ "تم تو ہمارے مرشد زادہ ہو"

آباء واجداد :۔ خاندان بنور کے کچھ بزرگوں نے پنجاب اور اس کے گردونواح پر سکھوں کے غلبہ واستیلاء کے دوران مسلمانوں کے خلاف ان کے مظالم سے تنگ آکر صوبہ سرحد کی طرف ہجرت فرمائی افغان قبائل نے ان بزرگوں کا نہایت اکرام واجلال سے

استقبال کیا ان سے رشتہ ارادت استوار کیا دینی خدمات کے سلسلہ میں ان سے بھرپور تعاون کیا ان بزرگوں نے بھی اپنی خاندانی ذ۔ داریاں نبھاتے ہوئے سرحدی قبائل میں گراں قدر دینی خدمات سر انجام دیں بعض جاہلی مراسم کے استیصال میں بڑی جدوجہد کی۔ ریاست دیر کے بانی الیاس اخوند بھی آپ کے حلقہ ارادات میں شامل تھے جنہیں بعد ازاں دیر کے قبائل نے اپنا رئیس منتخب کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد بنوری خاندان کے بعض افراد نے کوہاٹ اور پشاور میں اقامت اختیار کر لی۔

ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ کے پیر دادا میر احمد شاہ کا شمار مشاہیر پشاور میں ہوتا تھا بڑے ذی وجاہت بزرگ اور عالی مرتبت صوفی تھے آپ نے پشاور کے مضافات میں ایک محلہ آباد کیا۔ جو آج بھی گڑھی میر احمد شاہ کے نام سے معروف ہے، اس محلے میں سکونت پذیر ہونے کے لئے نماز پنجگانہ کی پابندی لازمی قرار دی گئی تھی انہی میر احمد شاہ کے صاحبزادے میر مزمل شاہ تھے جو مولانا سید زکریا شاہ کے والد اور حضرت شیخ قدس سرہ کے دادا ہیں

والد ماجد :۔ مولانا سید زکریا شاہ بنوریؒ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی سیدہ فاطمہ تھا جو محمد زئی کابل کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ خاتون نہایت عابدہ زاہدہ صاحب کرامات ولیہ تھیں حضرت الشیخ نوراللہ مرقدہ کو دعاؤں کا ذوق اپنی انہی عالی مرتبت دادی سے حاصل ہوا تھا، فرماتے تھے کہ "میں نے بہت چھوٹی عمر میں ظفر جلیل شرح حصن حصین از نواب قطب الدین دہلوی پڑھی تھی اس کتاب سے دعائیں بھی یاد کیں اور اردو بھی سیکھی" ان کے خاندان کو جلال آباد کے پاس خوگیانی مقام میں ایک باغ بھی امیر حبیب اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا تھا جس میں انہوں نے انار کا باغ لگایا اسی تعلق کی بناء پر اوائل عمر میں حضرت شیخؒ کابل تشریف لے گئے۔ جس کی وجہ سے فارسی میں آپ کو مادری زبان کی طرح عبور حاصل ہو گیا مولانا سید زکریا شاہ بنوری عجیب وغریب طبیعت اور مزاج کے بزرگ تھے ان کی زندگی نشیب وفراز کا ایک حسین مرقع ہے، جید عالم دین، حاذق حکیم، عربی اور اردو کے اعلی پائے کے ادیب، تعبیر الرویا، میں تو گویا انہیں امامت کا درجہ حاصل تھا خاندان میں معاشی فراغت اور ننھیال کی طرف سے شاہی خاندان سے تعلق کی وجہ سے ان میں خود بھی شاہانہ تلون پایا جاتا تھا طورو کے نواب محبت خان کی طرف سے انہیں ضلع مردان کے قصبہ رشکئی کے مضافات میں کچھ زرعی زمینیں بطور ہدیہ دی گئی تھیں، لیکن ان سارے دینی ودنیاوی انعامات کے باوجود خاندان بنور کی روحانی عظمت کے احساس نے انکی روح کو بے چین رکھا تھا یہ آتش شوق اس قدر بڑھی کہ خود کو علائق دنیا سے بالکل الگ تھلگ کر لیا، نواب طورو کی زمینیں انہیں واپس کر دیں گھر کا تمام اثاثہ ماسوائے سکونتی مکان کے فروخت کر ڈالا مرشد کی تلاش میں رشد وہدایت کے معروف منابع یعنی دہلی، اجمیر اور دیگر خانقاہوں پر حاضری دی لیکن جب سکون قلب یہاں بھی میسر نہ آسکا تو بغداد کا رخ کیا اور ایک عرصہ تک حضرت پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے مزار پر چلہ کشی کرتے رہے زوال پذیر ترکی حکومت کا یہ آخری دور تھا عراق میں شدید بدامنی پھیلی ہوئی تھی حالات کی ناسازگاری نے انہیں پھر ہندوستان آنے پر مجبور کر دیا یہاں آئے تو صوبہ بمبئی کے ضلع ناسک کے جنگلوں کا رخ کیا اور ایک عرصہ تک چلہ کشی کی شدید ریاضتیں کرتے رہے۔

اللہ اللہ خالق ارض وسماء نے انسان کے مضغتہ الجسد میں عشق ودیوانگی کے کیسے کیسے طوفان سمو دیئے ہیں۔ جب یہ کسی سے

اپنا رشتہ وفاو اخلاص استوار کر لیتا ہے تو حصول وصل کی راہ میں رنج والم کے پیمانے بدل جاتے ہیں راہ کی آبلہ پایاں حدی خوانی کا کام دیتی ہیں موسمی تجاوزات کی تلخیاں لذت وسرور کے کیف آور احساسات سے ہمکنار کرتی ہیں دل کا یہی لگاؤ یہی اٹکاؤ اور یہی بندھن اسکی زندگی کا پتہ دیتے ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے — کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

بہرحال شدید ریاضتوں اور مسلسل چلہ کشی کے بعد جب ان کے داخلی کرب کو بالیدگی میسر آئی تو انہوں نے اپنے گھر کا رخ کیا، رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئے اور معاشی کفالت کے لئے ٹھیکیداری پیشہ اختیار کیا اس پیشے سے انہوں خاصی دولت کمائی پھر یہاں سے آپ حکومت افغانستان کے بعض منصوبوں پر کام کرنیکی غرض سے کابل تشریف لے گئے اپنی خاندانی وجاہت طبیعت میں غیر معمولی حذاقت ومہارت، اپنے بلند پایہ ادبی ذوق اور علم وفضل کی وجہ سے ان کا شمار مشاہیر کابل میں ہونے لگا اعیان واکابر حکومت سے ان کے گہرے روابط استوار ہوگئے اسی زمانے میں والیٔ کابل امیر امان اللہ خان کی طرف سے آپ کو دو عدد ہوائی جہازوں کی فراہمی کا ٹھیکہ دیا گیا آپ نے ان ہوائی جہازوں کی فراہمی کے لئے حکومت افغانستان سے کسی قسم کی کوئی پیشگی رقم نہ لی بلکہ اپنی گرہ سے اتنی بڑی رقم خرچ کرکے غالباً ریاست پٹیالہ کے مہاراجہ سے سودا کیا مگر جب یہ ہوائی جہاز کابل پہنچے تو افغانستان انقلاب کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ امیر امان اللہ خان تاج وتخت سے محروم ہوکر یورپ چلے گئے تھے، نئے حکمران نادر خان کی حکومت اگرچہ حکومتی قرضوں کی ادائیگی کی قانوناً ذمہ دار تھی، لیکن نئی حکومت مولانا مرحوم کے قرضے کی ادائیگی میں ایک طویل عرصہ تک لیت ولعل سے کام لیتی رہی۔ حضرت مولاناؒ چونکہ اپنا سارا اندوختہ اس سودے پر خرچ کرچکے تھے اس لئے آپ اور آپ کے اہل عیال نے یہ دور بدترین قسم کی معاشی بدحالی میں گزارا۔

بہرحال مولانا سید زکریا شاہؒ زندگی کے اس معاشرتی مدوجزر کے باوجود نہایت ہی اعلی محاسن ومحامد کے مالک تھے۔ خاندان بنور کی جملہ دینی وروحانی خوبیاں ان میں موجود تھیں، احقر راقم کو حضرت مرحوم سے دو مرتبہ شرف نیاز حاصل ہے ایک مرتبہ اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں اور دوسری مرتبہ لاہور میں جب وہ اپنے جلیل القدر فرزند حضرت شیخ بنوریؒ کی معیت میں اپنے ایک دوست شیخ محمد عبداللہ کے ہاں گلبرگ میں قیام پذیر ہوئے ان دونوں بزرگوں نے ان کے ہاں تین چار روز تک قیام فرمایا اس مدت کے دوران احقر کو اکثر اوقات وہاں حاضری کا شرف حاصل رہا متعدد علمی مجلسیں منعقد ہوئیں مولانا سید زکریا شاہ صاحبؒ بنوری نے ان مجلسوں میں اپنے زمانہ قیام افغانستان کے دوران رویاء کی تعبیرات اور طبابت میں اپنی حذاقت کے عجیب غریب واقعات سنائے ایک دن معلوم نہیں شیخ عبداللہ کو کیا ہوا بڑے ترنگ میں آکر حضرت شیخ سے کہنے لگے مولانا آپ کی علمی عظمتیں دوسروں کے لئے ہیں ہمارے لئے تو آپ اب بھی برخوردار ہیں اس لئے کہ ہم نے آپ کو اپنی گود میں کھلایا اور انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا ہے شیخ صاحب کے انداز گفتگو میں عجب وپندار کا احقر کو بھی احساس ہوا۔ حضرت شیخ نے فوراً فرمایا ہاں! "عم محترم! آپ کا فرمانا بجا "مجھے جاننے والے میری برخورداری کا مقام خوب پہچانتے ہیں فرمایا میری عمر ابھی پچیس سال کی تھی جب اپنے وقت کے عظیم محدث اور مفسر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ مجھے علامہ کہہ کر پکارا کرتے تھے، اس پر شیخ صاحب مرحوم خفیف سے ہوکر خاموش ہوگئے ایک روز لاہور کے

تاریخی مقامات کی سیر کو نکلے راستے میں اثناء گفتگو مولانا سید زکریا شاہ فرمانے لگے مجھے اپنے جلیل الرتبت فرزند پر بے حد ناز ہے اور میں ان کا ممنونِ احسان ہوں کہ ان کی وجہ سے اہلِ علم میں میری قدر و منزلت اور عزت و تکریم میں اضافہ ہوا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت شیخ برداللہ مرجعہ کی ذات گرامی نہ صرف آپ کے والدین کے لئے سرمایہ افتخار ہے بلکہ آپ نے خانوادہ بنور کی عظمت کو اپنی غیر معمولی علمی اور دینی خدمات کی وجہ سے مقام سدرہ تک پہنچادیا بلاشبہ اس عظیم دینی گھرانے کے مورث اعلیٰ حضرت سید آدم بنوریؒ ایک بلند پایہ عارف باللہ ایک ولی کامل اور مملکت علم وصفاء کے تاجدار تھے لیکن ان کی شہرت ومقبولیت ایک مخصوص حلقہ تک رہی جب کہ ہمارے شیخ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی انعامات سے نواز کر نہ صرف برصغیر پاک وہند کے عوام وخواص میں محبوب ومکرم بنادیا تھا، بلکہ عالم اسلام کی مقتدر علمی شخصیتوں نے آپ کی عالمانہ تحریروں کے حضور اپنی جبین نیاز کو خم کیا اور آپ کو جماعت ملائکہ میں شمار کیا خانوادہ بنور کے اس حق کو کوئی نہیں چھین سکتا کہ وہ اپنے اس عظیم سپوت پر فخرومباہات کے جس قدر جذبات کا بھی اظہار کرے کم ہے۔

کنند خویش وتبار از تو ناز و می زیبد
بہ حسن یک تن گر صد قبیلہ ناز کنند

ولادت باسعادت:۔ ضلع مردان کے قصبہ رشکئی کے ریلوے اسٹیشن کے عقب میں؛ مہابت آباد؛ نام کی ایک بستی آباد ہے بظاہر چند گھرانوں پر مشتمل اس چھوٹی سی بستی میں نہ تو کوئی امتیازی خصوصیت ہے اور نہ ہی پاکستان کے نقشہ میں اس کا کوئی خاص وجود ہے لیکن جب مستقبل کا مؤرخ محدثین عظام کے علمی کارناموں کی تاریخ مرتب کریگا تو اسے اس چھوٹی سی بستی کو اپنی تاریخی دستاویزات میں ایک نمایاں مقام دینا پڑے گا اس لئے کہ اس بستی کو آسمان علم وفضل کے اس بدر کامل کا مولد وموطن ہونے کا شرف حاصل ہے جسکی ضیاء پاش تحریروں اور تقریروں سے زمانہ ایک عرصہ سے اپنی محافل علم وادب کو منور کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا اللہ۔ اللہ یہ اعزاز یہ اکرام یہ شرف اور یہ امتیاز لوٹنے کی جا ہے۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل
نسیم صبح تیری مہربانی

حضرت الشیخؒ کی خود نوشت تحریر کے مطابق آپ بوقت سحر بروز جمعرات ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۲۶ھ بمطابق سنہ ۱۹۰۸ء عالم عدم سے عالم وجود میں میں تشریف لائے (رضوان اللہ علیہ ورحمتہ) ابھی آپ نے اپنے پاؤں پر چلنا بھی نہ سیکھا تھا کہ سایہ مادر سے محروم ہوگئے آپ کی ایک پھوپھی جن کا اسم گرامی سیدہ مریم تھا، انہوں نے آپ کی پرورش کی ۔ملکوتی صفات کی یہ خاتون صاحبِ کرامات ولیہ تھیں حضرت مریم علیہ السلام کی طرح ان کے پاس بھی بے وقت کے میوے آتے تھے اس قدر زاہدہ کہ انہوں نے وضو کی حالت میں سورۃ یاسین تلاوت کرتے ہوئے چرخے پر سوت کاتا اور اس کا کپڑا بنوا کر اپنے کفن کے لئے رکھا ہوا تھا بعد میں جب مولانا زکریا شاہؒ کی صحرا نوردی کے ایام میں اس خاندان کو عسرت وتنگدستی نے آگھیرا تو سیدہ مریم کے کفن کا یہی کپڑا ہمارے شیخؒ کے لئے

عید کا جوڑا بنا۔۔

ابتدائی تعلیم:۔ جیسا کہ گذشتہ سطور میں عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت شیخؒ اوائل عمری میں کابل تشریف لے گئے تھے اس وجہ سے فارسی زبان میں تکلم پر انہیں ایسا عبور ہو گیا تھا، گویا یہ آپ کی مادری زبان ہو بعد میں آپ اپنے ماموں مولانا فضل ہمدانی کے ہمراہ واپس تشریف لائے تو آپ نے پشاور کے بعض علماء سے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں یہ وہ دور تھا جب آپ کے والد مکرم علائق دنیا سے دستکش ہو کر جنگلوں میں چلہ کشی کی زندگی گزار رہے تھے اس لئے آپ کو اپنی ابتدائی تعلیم کے حصول میں شدید دقتوں کا سامنا کرنا پڑا گھر میں عسرت کی وجہ سے مکئی کی روٹی اور سبز چائے کے ناشتے ہی پر قناعت کرنا پڑتی تھی اور پھر اسی ناشتے پر شدید سردیوں کے موسم میں بستی سے بہت دور اپنے اساتذہ کی خدمت میں سارا دن گزارنا پڑتا تھا۔

اللہ تعالی نے ہمارے شیخؒ نور اللہ مرقدہ کو ذکاوت وفطانت اور حافظہ کی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا اس لئے آپ جو کچھ پڑھتے صفحۂ ذہن پر نقش ہو جاتا شمسیہ کی شرح قطبی کا دیباچہ عربی ادب کا شاہکار ہے آپ نے جب قطبی پڑھی تو اس کا دیباچہ حفظ کر لیا۔ صرف میں آپ کے استاذ مولانا حافظ عبد اللہ ساکن لنڈھی ارباب تھے حافظ صاحب موصوف نہایت عابد وزاہد بزرگ تھے بعد میں ان کے دشمنوں نے انہیں بے گناہ شہید کر دیا۔ حضرت شیخؒ نے قراءۃ وتجوید باقاعدہ کسی استاد سے نہیں پڑھی تھی صرف ابن حاجب کی شافیہ پڑھی تھی۔ صرف اسی ایک کتاب کے مطالعے سے فن تجوید میں آپ کو کافی درک حاصل ہو گیا تھا۔

قراءۃ وتجوید کی بحثوں میں آپ کی رائے کو ہمیشہ صائب تسلیم کیا جاتا تھا، اس ابتدائی تعلیم کے بعد آپ دوبارہ کابل تشریف لے گئے وہاں کے جن مشہور اساتذہ سے آپ نے تعلیم حاصل کی ان میں محکمہ شرعیہ کے قاضی مرافعہ قاضی القضاۃ مولانا عبد القادر افغانی لمقانی اور شیخ محمد صالح القیلغوی افغانی کا تذکرہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

قاضی مرافعہ قاضی عبد القادر سے آپ نے منطق کی کچھ کتابیں میرزاہد ملا جلال اور بعض دوسری کتابیں پڑھیں۔ آپ قاضی صاحب موصوف کے درس ہدایہ ثانی میں شریک ہوا کرتے تھے، آپ کی استعداد وقابلیت دوسرے طلبہ سے ممتاز تھی۔ اس لئے اس زمانے کے محض سنے ہوئے فقہی مباحث خاص طور پر شروط دعوے سے متعلق بحثیں اپنی پوری تفاصیل کے ساتھ آپ کو آخری عمر تک یاد رہیں۔ اسی دور میں کابل کے حکمران امیر امان اللہ خان کے ایک وزیر سے آپ کا تعارف ہو گیا جنہیں جدید مصری ادب سے بہت شغف تھا آپ کی ذہانت وفطانت اور عربی ادب سے آپ کے طبعی میلان کو دیکھ کر وزیر موصوف نے آپ کو جدید عربی ادب کی کچھ کتابیں ہدیۃً دی تھیں۔

تاہم حضرت شیخؒ کی ذہانت، حافظہ اور طبیعت کے اخذ وقبول کی غیر معمولی صلاحیتوں کے باوجود آپ کو باقاعدہ کسی مشہور دینی درسگاہ میں پابندی کے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا اس کی وجہ آپ کے والد مکرم کی طویل خانہ بدوشی، یا سیاحت اور گھر سے دوری ہے آپ اکثر شکایت فرمایا کرتے تھے کہ میرے گرامی قدر والد میری ابتدائی تعلیم پر مطلق توجہ نہ دے سکے۔

اللہ تعالی جن نفوس قدسیہ کو اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرما لیتا ہے ان کے ساتھ اس کا معاملہ بھی عام لوگوں سے

مختلف ہوتا ہے اکثر و بیشتر ان کے ایام صغر سنی ہی میں انہیں ظاہری اسباب و وسائل سے محروم کر دیا جاتا ہے تا کہ کل جب وہ عظمتوں اور رفعتوں کی ثریا تک پہنچیں تو معاشرے کے افراد اپنی سیڑھیوں کی نمائش نہ کرتے پھریں، ان کے زلف و کاکل کی آرائش اور حسن معنی کی تجمیل کی ذمہ داریاں مشاطہ فطرت کے سپرد کر دی جاتی ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت اور تہذیب و تادیب کا کام براہ راست ملاء اعلیٰ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ ان کی سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر میں محاسن سنیہ کے جملہ جواہر سمودیے جاتے ہیں، رشد وہدایت کی راہوں پہ قدم قدم پر ان کے لئے قندیلیں روشن کر دی جاتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور ڈابھیل:- کابل سے دوبارہ واپسی کے بعد آپ نے درس نظامی کی اعلیٰ کتب کی تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا یہ ۱۳۴۵ھ ۱۹۲۷ء کا سن تھا۔ وہاں آپ نے بحثیت طالب علم سن ۱۳۵۴ھ ۱۹۳۰ء سے سن ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۸ء تک یعنی تین سال قیام کیا یہیں اسی زمانہ طالب علمی میں آپ کے یارِ غار اور حبیب مکرم مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیری سے دوستانہ مراسم استوار ہوئے جو آگے چل کر پاکستان میں ایک دینی مدرسہ کے قیام اور ترقی و استحکام میں بہت ممدو معاون ثابت ہوئے۔

طالب علمی کا زمانہ لاابالی پن اور غیر ذمہ داریت کا دور ہوتا ہے اور اس پر عنفوان شباب کی سرکش خواہشات قدم قدم پر ناپسندیدہ حرکات پر ابھارتی ہیں لیکن الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے حلم وحیا عفت وپاکبازی اور متانت و وقار کے انمول جواہر آپ کی سیرت میں سمودیئے تھے آپ کے رفیقِ سکونت اور حبیب خاص مولانا لطف اللہ صاحبؒ آپ کی اس اخلاقی عظمت کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتے تھے لاتسئل عن المرء وسل عن قرینہ

کل جسے شہر علم وفضل اور طائر سدرہ نشین بننا تھا عالم نو پروازی میں اس کے بال و پر میں کیوں کر تزلزل وضعف پیدا ہو سکتا تھا جس قلب ولسان اور اعضاء وجوارح کو" **رب مبلغ اوعی من حاملہ** "کا مصداق بننا تھا، اس کی طہارت وعفت کا کیوں کر سامان نہ کیا جاتا۔۔ **ذالک من فضل اللہ یوتیہ من یشاء .**

دارالعلوم دیوبند میں آپ نے سب سے پہلے مشکوٰۃ المصابیح کے درجہ میں داخلہ لیا۔ اسی سال آپ نے ابن رشد کی بدایۃ المجتہد اور حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا بھی بغور مطالعہ کیا۔ یہ دونوں کتابیں آپ نے بمبئی کے ایک ناشر سے بذریعہ ڈاک منگوائی تھیں جب یہ دونوں کتابیں آپ کے پاس پہنچیں تو آپ نے غایت درجہ بہجت و سرور کا اظہار فرمایا۔ حجۃ اللہ البالغہ کا نسخہ اب تک جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں محفوظ ہے، اسی زمانہ میں دارالعلوم میں بعض شدید قسم کے اختلافات رونما ہوگئے حضرت امام العصر مولانا انور شاہ کاشمیری نے سلسلہ درس وتدریس منقطع کر دیا۔ حضرت مدنیؒ نے بخاری اور ترمذی کے اسباق شروع کروادئے، طلبہ کی غالب اکثریت حضرت شاہ صاحبؒ سے استفادہ کرنا چاہتی تھی ان کا شدید اصرار تھا کہ آپ بھی ان دونوں کتابوں کے اسباق شروع کرادیں لیکن آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں صرف وہ کتاب پڑھا سکتا ہوں جس کے اسباق شروع نہ ہوئے ہوں معلوم ہوا کہ موطا امام مالکؒ شروع نہیں ہوئی۔ چنانچہ آپ نے موطا امام مالک شروع کروادی جن طلبہ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے موطا امام مالکؒ پڑھی ان میں ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ بھی تھے

اس طرح حضرت شیخ کا حضرت شاہ صاحب سے یہ پہلا تلمیذانہ تعلق قائم ہوا۔ حضرت شاہ صاحب کی علمی حذاقت ومہارت نے اس تعلق کو والہانہ شیفتگی کی انتہائی بلندیوں تک پہنچادیا۔

دارالعلوم دیوبند میں اختلافات نے اتنی نازک صورت اختیار کرلی کہ بعض اجلہ شیوخ کی دارالعلوم سے علیحدگی ناگزیر ہوگئی چنانچہ طے یہ ہوا کہ حضرت شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا سراج احمد اور مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی دارالعلوم سے قطع تعلق کرکے کسی اور جگہ تشریف لے جائیں طلبہ کی غالب اکثریت ان حضرات کے ساتھ تھی۔ چنانچہ کسی ایسی جگہ کی تلاش ہوئی جہاں کے احباب اساتذہ کرام کے وظائف کے ساتھ ساتھ ان طلبہ کے قیام وطعام کا بھی بندوبست کرسکیں بالآخر ڈابھیل کے سیٹھ گارڈی اور موسیٰ میاں نے اس عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھالیا اور پھر ڈابھیل میں ایک نئے دارالعلوم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور آپ کے جلیل القدر رفقاء سے تشریف لانے کی درخواست کی گئی۔ طلبہ کی جو جماعت ان بزرگوں کے ساتھ ڈابھیل گئی حضرت الشیخ البنوری بھی ان میں شامل تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے درس موطا امام مالک کے دوران علم کے جو نقش آپ کے دل ودماغ پر مرتب کئے تھے انہوں نے اپنے شیخ کے لئے عقیدت وارادت کو عشق ودیوانگی کی آخری حدوں تک پہنچادیا فنا فی الشیخ کی کیفیات و ارادت کی جو حکایتیں اور روایتیں ہم نے اسلاف کے بارے میں سنی ہیں ہمارے شیخ میں وہ بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

شمہ از داستان شور انگیز ما است　　　　این حکایتہا کہ از فرہاد شیریں کردہ اند

چنانچہ دارالعلوم ڈابھیل میں جب حضرت امام العصر نے بخاری اور مسلم کے اسباق شروع کئے تو ہمارے شیخؒ نے اپنی ذہانت وفطانت اور دل ودماغ کی جملہ توجہات کو حضرت شاہ صاحب کے درس کی سماعت کے لئے مرکوز کردیا خود فرماتے ہیں کہ میں حضرت شاہ صاحب کے درس کے انتظار میں منٹ اور سیکنڈ تک شمار کیا کرتا تھا اور درس میں اس طرح شریک ہوتا تھا کہ ایک ایک حرف اور استاذ کی ایک ایک حرکت وسکون تک یاد ہوتی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میرا قلب شاہ صاحب کے علوم کو جذب کررہا ہے گویا علم وعرفان کے ہمالیائی گلیشروں سے پگھلنے والا حیات بخش پانی تربیلا ڈیم کی جھیل میں جمع ہورہا ہو۔ ظرف کی انہی وسعتوں اور حوصلہ کی انہی پہنائیوں نے علوم انوریہ کو خود میں سمو لیا یہاں آپ نے حضرت شاہ صاحب سے بخاری اور باب حب الانصار من الایمان اور ترمذی از باب مس الذکر تک پڑھی۔ اس کے بعد شاہ صاحب اپنی علالت کی وجہ سے اس سال سلسلہ درس وتدریس جاری نہ رکھ سکے اور واپس دیوبند تشریف لے گئے حضرت الشیخ نے دارالعلوم ڈابھیل سے دورہ کا امتحان دیا اور تمام طلبہ میں اول پوزیشن حاصل کی خصوصی انعام سے نوازے گئے۔ کتاب عقیدہ الاسلام اور دس روپے نقد آپ کو انعام دیا گیا نتیجہ امتحان حسب ذیل ہے (۱) صحیح بخاری ۵۱ (۲) صحیح مسلم ۵۲ (۳) سنن نسائی ۵۱ (۴) سنن ترمذی ۵۱ (۵) موطا امام مالک ۵۱ (۶) موطا امام محمد ۵۰ (۷) طحاوی شریف ۵۰ (۸) تفسیر بیضاوی ۵۱

یاد رہے کہ امتحان میں ہر کتاب کے پچاس نمبر مقرر کئے گئے تھے اس طرح آپ نے کل ۴۰۰ نمبرات میں سے ۴۰۷ نمبر حاصل کئے۔

حضرت امام العصر تو اپنی علالتِ طبع کے باعث دیوبند تشریف لے گئے تھے لیکن حصول علم کی جو شمع آپ حضرت شیخ کے

دل و دماغ میں فروزاں کر گئے تھے اس نے مفارقت کے ان ایام کو آپ پر بہت گراں بنا دیا۔ چنانچہ یونہی آپ نے دروہ حدیث سے فراغت حاصل کی دیار حبیب یعنی دیوبند اپنے شیخ کی خدمت میں جا پہنچے۔ آتش شوق کے یہی ایام اور عشق و دیوانگی کا یہی دور حضرت شیخ کا حاصل حیات تھی۔ اسی دور میں آپ کو اپنے استاذ گرامی کے علوم سے وہ مناسبت تامہ پیدا ہوئی جس کی بدولت علوم انوریہ کا وافر حصہ آپ کی ذات میں منعکس و منجذب ہو گیا واردات قلب کی انہی کیفیات کو اگر شیخ کی زبانی سے سنا جائے تو یہ کیف و سرور سے دو آتشہ ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں:

"حضرت شاہ صاحبؒ بیماری کی وجہ سے ڈابھیل سے دیوبند تشریف لے آئے فراغت کے بعد میں بھی دیوبند آیا۔ حضرت استاذ کی خدمت میں ایک عریضہ عربی میں تحریر کیا کہ میں آپ سے اور آپ کے علوم سے استفادہ کا متمنی ہوں میں نے عربی تحریر میں جسقدر درد پیدا ہو سکتا تھا پیدا کیا۔ شیخ سے قلبی تعلق کا اظہار کیا اور اپنی تشنگی علم کا ذکر کیا، حضرت شاہ صاحبؒ اپنے مکان پر تشریف فرما تھے عریضہ دیکھ کر فرمایا کہ ادب کہاں سے پڑھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہیں سے نہیں۔" فرمایا آپ کو ادب پڑھنے کی حاجت نہیں اس کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ آپ کو میں اپنے ساتھ ملحق کر لوں گا پھر حکم دیا کہ بدھ کے دن دیوبند میں جو بازار لگتا ہے وہاں سے ایک چٹائی خرید کر لانا میں چٹائی خرید لایا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب (مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم) حوالہ کی اور فرمایا اس کے حوالہ جات (اسفار اربعہ للشیرازی) سے نکالو! حالانکہ یہ مشکل کام تھا لیکن مجھے بحمد للہ کوئی دقت نہیں ہوئی (یہ واقعہ اپنی تفصیل کے ساتھ گذشتہ اوراق میں گزر چکا ہے) حضرت شیخ (اسفار اربعہ) کے حوالہ جات کی تخریج کا کام کر رہے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کو کشمیر کا سفر در پیش ہوا، آپ نے حضرت شاہ صاحبؒ سے اس سفر میں خادمانہ رفاقت کی درخواست کی۔ حضرت شاہ صاحبؒ آپ کی والہانہ شیفتگی وعقیدت سے باخبر تھے۔ چنانچہ آپ کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا گیا۔

کشمیر کا سفر حضرت شیخ کے لئے بہت با برکت ہوا ڈابھیل اور دیوبند میں حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف سے استفادہ عمومی نوعیت کا ہوتا تھا لیکن یہاں کشمیر میں آپ کی ساری علمی نوازشیں ہمارے شیخ کے لئے مختص تھیں۔ گویا اس سفر کا دورانیہ چند مہینوں تک محدود تھا لیکن یہ مہینے حضرت الشیخ کی علمی زندگی کا حاصل و خلاصہ تھے

قليل منك يكفيني و لكن . قليلك لا يقال له قليل

اس مختصر سفر کے دوران آپ نے اپنے شیخ کے حضور عشق و دیوانگی کی ساری داستانیں اور مہر و وفا کے تمام قصے دہرا کر رکھ دیئے یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی نظر کرم کا اثر تھا یا حضرت شیخ کے جنون کی نیرنگیاں تھیں کہ سینہ انوار میں مخفی تمام دفائن وخزائن سینہ بنوریؒ میں منتقل ہو گئے۔

نیروئے عشق بیں کہ دریں دشت بیکراں ۔ گامے نہ رفتہ ایم کہ بہ پایاں رسیدہ ایم

اپنے شیخ کے ساتھ والہانہ عشق کی داستانیں حضرت شیخ بڑے مزے لے لے کر سنایا کرتے تھے۔ شیخ سے حاصل شدہ انہی فیوض و برکات کو سناتے وقت آپ کا ہر بُن مُو سراپا تشکر و امتنان بن جاتا تھا۔

زمانہ گلشن عیش کرا بہ یغما داد - کہ گل بہ دامن ما دستہ مے آید

قیام کشمیر کے دوران آپ نے اپنے شیخ سے بعض دوسری کتابیں بھی پڑھیں، حضرت شاہ صاحبؒ نے اس زمانے میں اپنے بھائی سیف اللہ شاہ کو مطول اور سلم العلوم پڑھائیں - حضرت شیخ ان دونوں کتابوں کے درس میں برابر کے شریک رہے - حضرت شیخ اپنی زندگی کے اس یادگار علمی سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ

میرے شب و روز کا ایک ایک لمحہ حوائج ضروریہ کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم کے لئے وقف تھا - بہترین صحت جوانی کا زمانہ کشمیر کی آب وہوا اچھی غذا، نیند آتی تھی لیکن میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتا تھا - کشمیر کی سردی کافی تھی مگر رات اڑھائی تین بجے اٹھ جاتا تھا - حضرت شیخ کے لئے پانی گرم کرتا اور وضو کا انتظام کرتا اس دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شیخ اٹھ جائیں اور میں ابھی بیدار نہ ہوا ہوں - اسی زمانے کے دو واقعات بیان کرتے تھے -

ایک تو یہ کہ رمضان کا زمانہ تھا میں حسبِ معمول ظہر کی نماز کے بعد حوالہ جات کا کام کرتا اور شیخ تلاوت کچھ بلند آواز میں فرماتے تھے - شیخ کی تلاوت کی حلاوت میری توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی، میں اپنا کام تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر شیخ کی شیریں تلاوت سے روح وقلب کو شاد کام --- بناتا - حضرت شیخؒ جب آیات قرآنیہ میں تفکر وتدبر کرنے لگتے تو میں پوری تندھی سے اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ایک روز دوران تفکر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا سامنے الماری میں فتح الباری رکھی ہے اس کی فلاں جلد اور فلاں صفحہ پر دیکھو کہ حدیث ابن عباسؓ حافظ ابن حجر نے مسند امام احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے یا ابن حبان کے حوالہ سے، میں نے حسبِ ہدایت دیکھ کر عرض کیا کہ صحیح ابن حبان کے حوالہ سے نقل کی ہے - یہ سن کر آپ پھر تلاوت میں مشغول ہو گئے اسی زمانے میں حضرت شیخؒ نے اپنے استاذ گرامی کی ہدایت و نگرانی میں فتویٰ نویسی کا کام بھی کیا - حضرت امام العصر کے پاس مختلف مقامات سے جو استفتاء آتے تھے آپ ضروری ہدایات دے کر حضرت کو ان کا جواب لکھنے کا حکم فرماتے اور پھر حضرت شیخ کے تحریر کردہ فتاویٰ (الجواب صواب) دیکھ کر اپنے توثیقی دستخط فرماتے اس دوران کبھی ایسا نہیں ہوا کہ حضرت محدث کشمیری نے آپ کے تحریر کردہ کسی فتویٰ پر نکیر کر کے اس پر دستخط نہ فرمائے ہوں -

ایک مرتبہ علماء کشمیر میں طلاق کے کسی مسئلہ میں وقوع یا عدم وقوع کے بارے میں شدید اختلاف رونما ہو گیا تصویب کی خاطر استفتاء حضرت امام العصر کی خدمت میں بھیجا گیا اس میں علماء کا جو فریق وقوعِ طلاق کا مدعی تھا - ان کا استدلال فتاویٰ العمادیہ کی ایک عبارت سے تھا، حضرت شاہؒ صاحب یہ استفتاء دیکھ کر بہت متفکر ہوئے کہ مسئلہ زیر نظر میں قضاء کی ضرورت ہے، اور تحقیقِ واقعہ کے بغیر اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا - جب کہ تحقیق واقعہ کی راہ میں بے شمار موانع تھے - حضرت شیخؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاذ گرامی کے اس تفکر کو دیکھ کر عرض کیا حضرت آپ قاضی کیوں بنتے ہیں؟ مفتی بن کر فتویٰ تحریر فرما دیجئے - یہ سن کر حضرت محدث کشمیری کا چہرہ مسرت سے چمک اٹھا اور فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے - پھر آپ سے فرمایا کہ اس کا جواب لکھ دیجئے اس میں یہ بھی لکھیں کہ "فتاوی العمادیہ" کی عبارت سے جو فریق استدلال کر رہا ہے وہ غلط ہے کیونکہ العمادیہ کا صحیح مخطوطہ میں نے کتب خانہ دار العلوم دیوبند

میں دیکھا ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے اس لئے یا تو یہ تصحیف ہے یا تدلیس ۔ آپ نے اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق جب جواب لکھا تو شیخ نے اسے بہت پسند فرمایا اور اس میں ایک حرف بھی تبدیل نہیں کیا جب اس جملہ پر پہنچے قد طالع الشیخ الحبر البحر مولانا محمد انور شاہ الفتاویٰ العمادیہ ۔ تو شیخ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہونے لگے اور فرمایا قلم لائیے اور لفظ الحبر اور بحر کو قلم زد فرمادیا اور فرمایا آپ کو صرف مولانا محمد انور شاہ لکھنے کی اجازت ہے۔

دوسرا واقعہ جو حضرت الشیخ نے اسی زمانے کا سنایا ۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت استاذ سے عرض کیا کہ حضرت میں جو کام کر رہا ہوں اس میں مولوی سیف اللہ صاحب کو بھی شامل کر لیا جائے تو بہتر ہے ۔ فرمایا آپ جو کام کر رہے ہیں سیف اللہ شاہ ایک دن بھی کرے گا تو چیخ اٹھے گا۔

اساتذہ کرام: آپ نے پشاور کابل ، دیوبند ، اور ڈابھیل میں جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے ان میں سے پشاور کے مولانا حافظ عبداللہ لنڈی ارباب اور مولانا قاضی عبد القدیر ، قاضی مرافع کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے ۔ دیوبند میں داخلے کے لئے پہلے سال ہی آپ نے مشکوۃ المصابیح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، صاحب التعلیق الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح سے پڑھی مقامات وسیر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان سے پڑھی ۔ سلم العلوم میں آپ کے استاذ مولانا رسول خان صاحب ہزاروی ہیں ، بخاری اور ترمذی کے اکثر حصے آپ نے امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ سے پڑھے ۔ لیکن حضرت موصوف کی علالت کے باعث ان دونوں کتابوں کی تکمیل اس طرح کی کہ ترمذی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے اور بخاری شریف مولانا عبد الرحمان امروحیؒ سے ۔

حضرت شیخؒ اپنے اساتذہ کرام کا غیر معمولی ادب واحترام فرماتے تھے ہر شخص کے کمالات کا کھلے دل سے اعتراف فرماتے ۔ فروق بین الرجال میں آپ کو غضب کا کمال تھا ، شخصی تحلیل و تجزیہ میں ان کی نظر میں بہت وسعت تھی خود احقر کو زمانہ طالب علمی کے دوران مدرسہ عربیہ اسلامیہ میں تشریف لانے والے بزرگوں کے ادب واحترام کے متعدد مناظر دیکھنے کو ملے ۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ مدرسہ میں تشریف لائے احقر نے نماز کے وقت حضرت موصوف کے نعلین اٹھانے کی کوشش کی تو ہمارے شیخ نے نعلین میرے ہاتھ سے لے لیئے فرمایا ، یہ ہمارا حق ہے ۔ ہم خود کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتے ، تمہارے لئے ہم جو ہیں ۔ حضرت مولانا عبد الرحمان صاحب کامل پوری مدرسہ میں تشریف لائے ، تو آپ ان کے سامنے ادب واحترام سے بچھے جاتے تھے۔

الغرض اہل علم وفضل کے ساتھ آپ کا طرز عمل نہایت منکسرانہ اور متواضعانہ ہوتا تھا ۔

حضرت امام العصر کے بعد جس شخصیت کے علمی کمالات کے آپ معترف تھے وہ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب فتح الملہم ہیں ۔ اپنی شرح ترمذی معارف السنن میں آپ کا ذکر کرتے ہوئے آپ کو شیخنا کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔

لیکن جس شخصیت نے آپ کے دل ودماغ پر اپنے نبوغ اور عبقریت کے انمٹ نقوش چھوڑے وہ حضرت شاہ صاحب ہی کی ذات ہے حضرت محدث کشمیری کے کمال فی العلم اور حذاقت کے سامنے ان کی نگاہ میں کوئی دوسرا نہیں تھا ۔ انہی کے شیریں تذکروں سے اپنی محفلوں کو زندہ رکھتے ، ان کا ذکر خیر اس انداز میں کرتے گویا ابھی ابھی ان کے حضور سے اٹھ کر آرہے ہیں ان کے

ملفوظات اپنے سینے میں اس طرح محفوظ کر رکھتے تھے ، کہ بیان کرتے وقت فرمایا کرتے تھے واللہ ھذا لفظہ ، واللہ ہذا لفظہ عقیدت وارادت اور تشکر وامتنان کا ایک چشمہ تھا جو آپ کے ہر حرف اور ہر لفظ سے ابلتا محسوس ہوتا تھا۔

ہم شہر پر زخوباں منم وخیال ماہے۔ چہ کنم کہ نفس بد خو نہ کند بہ کس نگاہے۔

پشاور واپسی : دیوبند اور ڈابھیل کے علمی مراکز عمل وعرفان کے دور ولآئی سے لدے پھندے آپ واپس اپنے وطن مالوف پشاور پہنچے یہاں آکر آپ کو انتہائی ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ والد ماجد اپنے قرضوں کی وصولی کے سلسلہ میں کابل میں قیام پذیر تھے آمدنی کے ذرائع مفقود تھے۔ اخراجات کا سلسلہ جاری تھا گھر ایک عاشق زار کے دل کی ویرانی کا نقشہ پیش کرتا تھا

سر شام ہی بجھا رہتا ہے۔ دل ہے گویا چراغ مفلس کا

اپنے والد ماجد کو اہل خانہ کی اس غربت وتنگدستی کی اطلاع دیتے تو جواب آتا کہ قرضوں کی وصولی عنقریب ہونے والی ہے اور خانگی مشکلات کا دور ختم ہونے والا ہے لیکن ابتلاء وامتحان کا یہ دور طویل تر ہوتا چلا گیا کابل کی نادر خانی حکومت سے قرضوں کی وصولی ایک لاینحل مسئلہ بن گئی ، گھر کا تمام اثاثہ ختم ہوچکا تھا ، حتٰی کہ آپ کی منگیتر جو آپ کے چچا کی لڑکی تھی کی ساری زمینیں بھی آپ کے والد ماجد کے ہاتھوں فروخت ہو چکی تھیں

شادی :- ان حالات میں حضرت الشیخ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئے تھے آپ کی شادی بھی مشاہیر عالم کی تاریخ کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہے اس تقریب کا آنکھوں دیکھا حال آپ کے حبیبِ خاص حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کی زبان سے سنیے ! فرماتے ہیں " جب مولانا کے والد ماجد کی کابل سے واپسی میں غیر معین تاخیر ہوگئی تو مولانا عبد الحق نافع کے مشورہ سے طے پایا کہ مولانا کا نکاح اب بہر صورت ہوجانا چاہیے۔

وہ عجیب وغریب رات مجھے نہیں بھولتی جب مولانا کی بیٹھک میں مولانا کا نکاح پڑھایا۔ مولانا خود دولہا تھے خود ہی دوسری طرف سے وکیل تھے خود ہی نکاح خواں تھے میں اور مولانا عبد الحق نافع گواہ تھے شادی کے لئے اور اہتمام تو کیا ہوتا جوڑا بھی نہیں بنایا گیا نہ دولہا کے لئے نہ دلہن کے لئے بس بدن کے پہنے ہوئے کپڑے ہی جامہ عروسی تھا۔ گھر میں دو سیر چاول تھے وہ پکائے اور کھائے گئے یہ مولانا کا ولیمہ تھا گھر میں ایک چارپائی سالم تھی اور ایک ٹوٹی ہوئی ، سوائے ہم دونوں کے کسی کو شادی کا پتہ بھی نہیں چلا تھا مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی شادی کا نقشہ جن کی رحلت پر پورے عالم اسلام نے ماتم کیا۔

یہ تھی شادی کی روئیداد سادات بنور کے اس شہزادے کی کل جسے مشاہیر علماء کی بارات کا دولہا اور علم ادب کی محفلوں کا سرتاج بننا تھا -- جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی صدارت کا تاج جس کے سر پر سجایا جانا تھا ، اور وقت کے ہم جہت حکمرانوں کی غیر اسلامی سرگرمیوں کے خلاف سد سکندری بننا تھا تاریخ کا طالب علم اس امر سے بخوبی آگاہ ہے کہ جریدہ عالم پر ثبت ہونے والی اعاظم رجال کی لازوالی داستانوں کا زمانہ اسی قسم کے نادر عنوانات سے ہوتا ہے۔

رجوع الی اللہ :- علم ایک ایسا منہ زور گھوڑا ہے جب تک اسے معرفت الٰہی کی لگام نہ ڈالی جائے رکب وحلم کی خدمات صحیح طور پر اس سے نہیں لی جاسکتیں - یہ ایک سرکش دریا ہے جس کی تند و تیز لہریں اس کے کناروں کو روند ڈالتی ہے جب تک کوئی ماہر انجینئر ان طوفانی لہروں کو دریا کے داخلی بہاؤ میں پابند نہ کردے اس کے حیات بخش پانی سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کیا جاسکتا ، تاریخ میں جبابرہِ علم کی قلمی وفکری لغزشیں اسی علمی سرکشی کی بدولت رونما ہوئیں اللہ تعالیٰ کی جن نفوس قدسیہ کو علم و ہدایت کی امامت کے منصب پر فائز کرتا ہے ان کے دلوں میں اپنی ذات کی لگن تڑپ اور محبت پیدا فرمادیتا ہے یہی حال ہمارے شیخ نوراللہ مرقدہ کا تھا ، خانوادہ بنوریہ کی روحانی عظمتیں آپ کے قلب ونظر پر مرتسم کردی گئی تھیں - اسی کیفیت سے ـــــ آپ کے گرامی قدر والد دوچار تھے ، جس نے اپنے مالک کے دور دراز جنگلوں کی ایک عرصہ تک کروائی۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے عرفان کا حصول کے نشہ آپ کا دل ودماغ کچھ اس طرح طاری فرمایا کہ آپ نے زندگی کی تمام ہنگامہ آرائیوں سے خود کو علیحدہ کرلیا ، حسن اتفاق سے انہی دنوں ایک افغانی بزرگ شیر آغا جو سلسلہ نقشبندیہ کے ایک عالی مرتبت مرشد تھے افغانی حکومت کے اختلافات کی وجہ سے پشاور تشریف لائے - حضرت الشیخ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی لگن اور تڑپ کا اظہار کیا ، انہوں نے آپ کو مراقبہ کی تلقین کی چنانچہ آپ پشاور کے قریب مدفون ایک بزرگ عبدالغفور صاحب کی قبر پر جاتے اور سارا سارا دن وہاں مراقبہ میں گزار دیتے - ان ایام میں آپ پر کچھ ایسا غلبہ طاری تھا ، کہ آپ کو اپنے اعزہ واحباب کے ملنے سے بھی ناگواری ہوتی تھی۔

ایک عرصہ تک کے ذکر وفکر کے بعد جب آپ کو قلبی سکون میسر آیا تو آپ نے فرمایا کہ سلسلہ نقشبندیہ میں قلب ونفس کے لطیفے بہت جلد جاری ہو جاتے ہیں - اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے ساتوں لطیفے جاری ہوگئے حضرت شیخؒ کی زندگی کا یہ دور وجد وکیف کا عجیب وغریب دور تھا ، آپ کے ہر بُن مُو سے ذکر الٰہی کی آوازیں سنائی دیتی تھیں - حضرت شیخؒ کا سینہ پہلے ہی انوار انوری کے نور سے تابندہ تھا کہ حضرت شیخ آغا نے اپنی خصوصی توجہات سے مزید روشن کردیا تاہم حضرت شیخؒ علم وفضل کے آدمی تھے انہیں بیعت وارشاد کی محفلیں نہیں سجانا تھیں اصلاح وتزکیہ کا کام اگرچہ اپنی جگہ نہایت اہم ہے لیکن قسام ازل کی طرف سے انہیں اس سے بھی اہم فرائض سے عہدہ برا ہونا تھا۔

ڈابھیل واپسی :- اسی دوران ڈابھیل کی مجلس علمی کی طرف سے آپ کو علمی خدمات سرانجام دینے کی پیشکش ہوئی - چونکہ آپ کے والد ماجد کی کابل سے واپسی میں مسلسل تاخیر ہو رہی تھی اسلئے آپ نے مجلس علمی کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے اپنی مادر علمی کا رخ کیا۔ڈابھیل میں نہایت ہی مشقت طلب اور جان پر سوز قسم کا کام آپ کے سپرد کیا گیا - یہ کام تھا عُرف شذی کے حوالوں کی تخریج اور انہیں مکمل طور پر نقل کرنا عُرفِ شذی حضرت محدث کشمیری کی تقریر ترمذی تھی جو جامع ترمذی پڑھاتے وقت حضرت والا نے طلبہ کے سامنے کی تھی یہ تقریر مولانا محمد چراغ صاحب مرحوم نے قلم بند کی تھی اور اسے دیوبند ہی سے شائع کیا گیا تھا۔

حضرت امام العصر کی درسی تقاریر کو منضبط کرنا قریب قریب ناممکن تھا - جن شرکاء درس نے حضرت امام موصوف کی

تحریر کو قلم بند کیا ہے ان کی حیثیت یادداشت سے زیادہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ عرف شذی میں متعدد مباحث تشنہ اور تعبیرات میں سہو و تسامح پایا جاتا ہے۔

حضرت شیخ نے عُرف شذی کی تخریج کے کام میں غیر معمولی محنت وجانفشانی سے کام لیا ہے تاہم آگے چل کر اس جان پرسوز کام کی وجہ سے آپ کو بے شمار علمی فوائد حاصل ہوئے۔اس طرح جمع ہونے والا علمی مواد آپ کی شہرہ آفاق کتاب معارف السنن کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔اس کام میں آپ کو کن کن دقتوں اور کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ عُرف شذی میں دئیے گئے ایک ایک حوالے کے لیے بسا اوقات مجھے سیکڑوں صفحات کا مطالعہ کرنا پڑا طوالت سے گریز کرتے ہوئے صرف مثالوں کے تذکرے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت شاہ صاحبؒ نے کسی موقعہ پر متعارض روایات کی تطبیق بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس قبیل سے ہے کہ " ہر راوی نے وہ بات ذکر کردی جو دوسرے نے ذکر نہیں کی۔اس کے بعد فرمایا کہ یہ بڑا اہم قاعدہ ہے مگر افسوس کہ مصطلح الحدیث کے مدونین نے اس کا ذکر نہیں کیا البتہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں کئی جگہ اس قاعدہ سے تعرض کیا ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ میں نے ان مقامات کو تلاش کرنے کے لئے پوری فتح الباری کا مطالعہ کیا معلوم ہوا کہ حافظ نے پوری کتاب میں دس جگہوں سے زیادہ جگہوں پر اس قاعدے سے تعرض کیا ہے۔

(۲) حضرت شاہ صاحب نے اختلاف صحابہ پر بحث کرتے ہوئے فرمایا کہ ابوزید دبوسی نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں صحابہ کرام کا اختلاف ہو تو وہاں منشائے اختلاف کا معلوم کرنا اور اس نزاع کا فیصلہ چکانا بڑا دشوار ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس حوالے کی تلاش کے لئے میں نے دبوسی کی کتاب تاسیس النظر پوری پڑھی مگر یہ حوالہ وہاں نہیں ملا۔خیال آیا کہ یہ حوالہ دبوسی کی دو کتابوں اسرار الخلاف یا تقویم الدولہ میں ہوگا مگر وہ دونوں غیر مطبوعہ تھیں اور میرے پاس موجود نہیں تھیں پھر خیال آیا کہ یہ حوالہ بالواسطہ ہوگا یا تو شیخ عبدالعزیز بخاری کی کتاب کشف الاسرار کے حوالے سے ہوگا یا ابن امیر حاج کی شرح التحریر کے واسطے سے۔چنانچہ ان دونوں کتابوں کا بہت سا مطالعہ کرنے کے بعد دونوں میں یہ حوالہ مل گیا۔

ان دونوں مثالوں کے حوالے سے اس امر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخؒ کو عُرف شذی کی تخریج کے سلسلہ میں کس قدر کتابوں کی ورق گردانی کرنا پڑی تب کہیں جاکر معارف السنن کی تدوین کے لئے یہ مہتم بالشان علمی مواد جمع ہوا اس اہم علمی کام سے فراغت کے بعد مجلس علمی نے آپ کو نصب الرایہ للزیلعی اور فیض الباری کی طباعت کے لئے مصر بھیجا۔

حضرت شیخؒ کا یہ پہلا غیر ملکی سفر تھا۔آپ کا یہ سفر علمی لحاظ سے بہت مفید اور مبارک ثابت ہوا عالم اسلام کے نامور علماء سے آپ کا تعارف ہوا، مصر کے تعلیمی اداروں اوران کے طریق تعلیم، معیار تعلیم اوران کی علمی خدمات سے شناسائی حاصل ہوئی۔اسی سفر کے دوران آپ نے ترکی کا دورہ بھی کیا۔حرمین شریفین میں بھی حاضری دی سلطان عبدالعزیز مرحوم سے ملاقات ہوئی۔الغرض حضرت شیخؒ جب اس سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ کا دل ودماغ جدید علمی وسعتوں سے مالا مال ہو چکا تھا (اس یادگار علمی سفر کی تفصیل انشاء

اللہ آئندہ اوراق میں پیش کی جائیگی)۔

ڈابھیل کی مسند صدارت:۔ حضرت شیخ اپنے اس سفر سے اس شان کے ساتھ واپس تشریف لائے کہ نہ صرف یہ کہ عالم اسلام کے مشاہیر علماء آپ کے علمی تفوق کے معترف ہو چکے تھے بلکہ پورے ہندوستان کے علمی حلقوں میں آپ کی غیر معمولی استعداد وقابلیت کے تذکرے ہونے لگے۔

چنانچہ وقت آن پہنچا تھا کہ امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کی عظیم الشان علمی وراثت کی امانت آپ کے سپرد کردی جائے۔

چنانچہ علم وفضل کے اس مجمع البحرین کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی صدارت تدریس اور مسند شیخ الحدیث پر فائز کیا گیا بخاری و ترمذی اور ابوداؤد کی تدریس کی خدمات آپ کے سپرد کی گئیں یہ نہ صرف جامعہ اسلامیہ کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا بلکہ آپ کے لئے اپنے دونوں نابغہ عصر شیوخ کی جانشینی اور نیابت باعث صد فخر ومباہات تھی۔ آپ اپنے اس اعزاز پر بے پناہ مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔ درس وتدریس کا یہ سلسلہ قیام پاکستان تک جاری رہا، اس دوران صدہا تشنگان علوم نبوی ﷺ نے اس چشمہ فیض سے اپنی علمی پیاس کی تسکین حاصل کی۔۔۔

ہجرت:۔ علم وفضل کا یہ آفتاب جہانتاب ڈابھیل کے افق پر تابندہ اپنی شعاعوں سے ایک عالم کو منور کررہا تھا کہ برصغیر کی تقسیم عمل میں آگئی جو حلقے پاکستان میں شامل ہوئے ان میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اسلئے متحدہ ہندوستان میں دیوبند ڈابھیل سہارن پور دہلی اور دوسرے اہم علمی مراکز کی رونقیں انہی علاقوں کے طلبہ سے قائم تھیں، علماؤمدرسین کی ایک کثیر تعداد بھی ان مراکز میں تدریسی ،علمی اور تبلیغی فرائض سرانجام دے رہی تھی پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد جب دونوں ملکوں کے درمیان آزادانہ آمدو رفت کا سلسلہ منقطع ہوگیا تو ان درسگاہوں کی رونقیں بھی ماند پڑ گئیں۔مزید براں ہندوستان کے مشاہیر علماء بھی ہجرت کرکے پاکستان تشریف لے آئے۔

چنانچہ ان علماء وطلبہ کی علمی ضرریات کو پورا کرنے کے لئے پاکستانی علاقوں میں نئے دینی مراکز قائم کرنے کی ضرورت ناگزیر ہو گی۔علماء نے کمرہمت باندھی اور دیندار اہل ثروت طبقے نے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے پھر دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان کے مختلف شہروں میں دینی مدارس کا ایک جال بچھا دیا گیا۔ ان میں ایک بہت بڑا مدرسہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار کا تھا جو مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے انتظام واہتمام میں قائم ہوا تھا، مولانا مرحوم نے اس دور کے نامور علماء کو اپنے دارالعلوم میں جمع کرلیا تھا یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ دارالعلوم مستقبل میں ایک دوسرا دارلعلوم دیوبند ثابت ہوگا۔

مولانا احتشام الحق مرحوم ہمارے شیخ کے علمی مقام سے واقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو دارالعلوم میں اپنی تدریسی خدمات انجام دینے کی دعوت دی، نیز دارالعلوم دیوبند بھی اپنے اس نامور فرزند کی علمی صلاحیتوں سے مستفید ہونا چاہتا تھا۔ ادھر پاکستان میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی جو آپ کے دوسرے بڑے گرامی مرتبت استاذ تھے اور آپ کے علمی کمالات کے مداح ومعترف تھے،آپ کو

پاکستان آنے کے مشورے دے رہے تھے، پاکستان میں اس وقت خواجہ ناظم الدین جیسے شریف النفس اور متین طبع شخص کی وزارت عظمیٰ کا دور تھا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم علماء کے بہت قدر دان تھے۔ مولانا احتشام الحق مرحوم سے ان کے گہرے رابطہ قائم تھے۔ (میرے علم کے مطابق یہ تجویز علامہ شبیر احمد عثمانی کی تھی لیکن وہ جلد انتقال فرماگئے (ارشد)

چنانچہ جب حضرت شیخ پاکستان تشریف لائے تو مولانا احتشام الحق مرحوم نے علماء اور وزراء کی ایک کثیر جماعت کے ہمراہ موٹروں کے ایک عظیم الشان جلوس کی شکل میں بڑی دھوم دھام سے آپ کا استقبال کیا۔ دارلعلوم ٹنڈوالہ یار میں "شیخ التفسیر" کے منصب پر آپ کا تقرر عمل میں آیا، اس دارالعلوم میں شیخ الحدیث کی مسند کو مظاہر علوم سہارن پور کے سابق صدر المدرسین اور حضرت تھانوی کے خلیفہ اکبر حضرت مولانا عبدالرحمان صاحب کامل پوری نے زینت بخشی۔

مولانا احتشام الحق مرحوم اپنے اس دارالعلوم کو دیوبند جیسی عظیم درسگاہ بنانا چاہتے تھے لیکن یہ محض ایک خواہش تھی جوان کے بلند آہنگ دعووں سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اس قسم کے مقدس علمی مراکز قائم کرنے کے لئے جن اوصاف حمیدہ اور محاسن جلیلہ کی ضرورت ہوتی ہے مولانا مرحوم ان سے بالکل تہی دست تھے توکل اخلاص اور للہیت کسی دینی ادارے کے قیام میں بنیان مرصوص کا کام دیتے ہیں۔ مولانا کثیر المشاغل تھے اور ان کی کراچی کے تجار اور حکام سے واقفیت تھی اور دینی درسگاہ کو سوفیصد توجہ کی ضرورت تھی جو مولانا نہ دے سکے اس کی ایک وجہ ان کا بہت بڑا خطیب ہوتا تھا کہ جس کی بنا پر تعلقات بڑھ جاتے ہیں اور فرصت ہو جاتی ہے۔

اس نزاع میں حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمان صاحب اور طلبہ کی اکثریت اور مجلس شوریٰ کے ارکان محمد یوسف سیٹھی، حاجی سومار صاحب، حاجی عمر دراز صاحب وغیرہ حضرت شیخ کے موقف کو صحیح سمجھتے تھے اور مکمل طور پر آپ کے ہمنوا تھے۔

چنانچہ حالات کی ابتری اس قدر سنگین ہو چکی تھی کہ آپ کے لئے ٹنڈوالہ یار میں مزید قیام تقریباً ناممکن ہو گیا۔ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سے حضرت شیخ کی علیحدگی کی اطلاع جب ملک کے علمی حلقوں تک پہنچی۔ تو کراچی سے پشاور تک کے متعدد علمی مراکز سے آپ کو صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے اعلیٰ مناصب کی پیشکش کی گئی، لیکن حضرت الشیخ کے گذشتہ تجربے نے آپ کے دل میں یہ بات راسخ کردی تھی کہ اب اپنا ایک دینی ادارہ قائم کرنا چاہیے جسے اپنے روحانی آباء واجداد کی زندہ روایات کے مطابق چلایا جائے۔

مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس: مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی تاسیس کے پس منظر کو جاننے کے لئے حضرت شیخ کی خود نوشت تحریر سے ایک اقتباس درج ذیل ہے۔

"جب دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سے قطع تعلق کیا تو کراچی سے پشاور تک دس بارہ سے زیادہ علمی اداروں نے صدر مدرس وغیرہ کے منصب پیش کئے لیکن کسی کو قبول نہ کیا، اور باقی ماندہ تھوڑی سی عمر ادھر ادھر ضائع کرنے اور نئے تجربات کرنے کی بجائے یہی مناسب سمجھا کہ سابقہ تجربہ کی روشنی میں اپنے انداز کا ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے، اور وہاں اپنے طویل تعلیمی تجربے کی روشنی میں طلبہ کی تعلیم و تربیت کا ایک خاص نظام رائج کیا جائے۔ جو نسل جدید کے لئے مفید ہو لیکن اس عظیم الشان مہم کے لئے اولاً اتم درجے کے اخلاص کی حاجت ثانیاً ہمت بلند کی ضرورت ثالثاً جُہد مسلسل اور صبر

واستقامت درکار - اربعارفتاء کے روحانی اور مادی تعاون کی احتیاج۔ مجھے احساس تھا کہ مجھے یہ چیزیں میسر نہیں اور ان کے بغیر کسی کام کی ابتداء خوابوں کی دنیا بسانے اور ٹھنڈے لوہے پر چوٹ لگانے کے مرادف ہے۔

وانی لهم التناوش من مکان بعید .لہذا میں نے مناسب سمجھا کہ حرمین شریفین کا سفر کروں ,حج وزیارت کی سعادت حاصل کروں اورحج وزیارت کو ایسے کام کی توثیق کا ذریعہ بناؤں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو۔وہاں اللہ تعالی سے استخارہ کروں کہ

میرے دل میں وہ کام ڈال دے جو دین وعلم کی خدمت کے سلسلہ میں میرے لئے مناسب حال ہو۔

چنانچہ بروز جمعہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ کو ہوائی جہاز سے بصرہ گیا اور وہاں سے عراقی طیارے سے جدہ اترا، اور مکہ مکرمہ پہنچا ان مقدس مقامات میں قبولیت دعا کے خصوصی مقامات ومبارک اوقات اور خاص کیفیت کی گھڑیوں میں اس مقصد وحید کے لئے خوب دعائیں مانگتا رہا۔مکہ مکرمہ میں بیس دن گزار کر زیارت روضہ رسول ﷺ کی غرض سے مدینہ منورہ روانہ ہوا۔ وہاں بتیس ۳۲ دن قیام رہا اور استخارہ واستشارہ کے بعد پختہ ارادہ کرلیا، کہ دار العلوم اسلامیہ ٹنڈوالہ یار سے مستعفی ہو کر نئے مدرسہ کی بنیاد ڈالوں گا۔ اور اسے ایک خاص نہج پر چلاؤں گا۔

پاکستان واپس پہنچا تو حیران تھا کہ کیا کروں اور کیسے کروں ؟

تقریباً سال بھر اسی شش وپنج میں گذرا اسی اثناء میں ایک صاحب حاجی یوسف سیٹھی (جنہوں نے اپنی دولت قرآن کریم اور دینی تعلیم عام کرنے کے لئے وقف کر رکھی تھی) آئے اور پچاس ہزار روپے مجھے پیش کرنا چاہے (جو میرے اور مولانا عبدالرحمان صاحب کاملپوری کے لئے پانچ سال کے مشاہرے کے لئے کافی ہوتے) تاکہ ہم ان نئے مدرسے کا افتتاح کردیں ۔لیکن میں نے یہ کہہ کر وہ خطیر رقم واپس کردی کہ میں متعدد وجوہ کی بنا پر مدرسہ کی بنیاد رکھنے سے قبل کسی قسم کی امداد ومعاونت قبول نہیں کرسکتا۔

ہاں مدرسہ کے افتتاح کے بعد جو معاونت ہو گی شکریہ کے ساتھ قبول کیجائے گی ، لیکن میں جتنا انکار کرتا رہا اتنا ہی وہ اصرار کرتے رہے۔ تاہم میں نے اس معاونت کے قبول کرنے سے قطعی انکار کردیا"۔

(حضرت شیخ کی خود نوشت تحریر کا یہ اقتباس جب سے نقل کیا ہے دل ایک خاص قسم کے وارده سے دوچار ہے ایک ایسی کیفیت طاری ہے جس کے اظہار کے لئے قلم کی سیاہی خشک ہو رہی ہے۔ بظاہر اس اقتباس میں نہ تو فصاحت وبلاغت کی سحر طراز باتیں اور نہ ہی ادب وانشاء کی اعجاز فرمائیاں ہیں اور نہ ہی اس میں فلسفہ وحکمت کے اسرار ودقائق نظر آتے ہیں اور نہ ہی علمی وفقہی موشگافیاں ظاہر ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے میرے شیخ نے ایمان وایقان کے انوار سے معمور اپنے دل کو صفحہ قرطاس پر بچھا دیا ہو۔یوں لگتا ہے گویا جگر کی کاوشوں کو لفظی ترتیب دے کر ایک عبارت کی شکل دے دی ہو۔ علم وتقویٰ اور زہد وارتقا کے عالی مرتبت حاملین آئیں اور اس تحریر کی معنوی اعجاز کا مطالعہ فرمائیں ۔سیرت وکردار کے اعلی ترین مکارم کا جو حسین پیکر اس عبارت سے ابھرے گا اس کے حضور عقیدت واحترام سے اپنی گردنوں کو خم کردیں۔آبِ زر کی تابانی اور تابندہ ہوجائے گی اگر اسے اس عبارت کی تحریر کے

لئے استعمال کیا جائے کتاب دل کی اس انداز میں. تفسیر کرنے والا اب کہاں ملیگا۔

ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون.
اٹھ گیا ناوک فگن مارے گا دل پر تیر کون

الغرض یوسف سیٹھی صاحب مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے) دینی درد رکھنے والے ایک صاحب ثروت بزرگ تھے۔ انہوں نے ہر ممکن تدبیر کی کہ کسی طرح حضرت الشیخ ان کی پیش کردہ خطیر رقم کو ایک نئے مدرسہ کے قیام کے لئے قبول فرمائیں۔ لیکن حضرت شیخؒ اس پیش کش کی قبولیت کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اپنے توکل اور اعتماد کے منافی سمجھتے تھے۔ اس لئے برابر انکار فرماتے رہے۔ سیٹھی مرحوم کو آپ کے اس حیرت انگیز انکار نے متحیر کردیا کہنے لگے کہ یہ عجیب بزرگ ہیں کہ ایک دینی مدرسہ کے قیام کا ارادہ بھی رکھتے ہیں، اور مالی وسائل بھی مفقود ہیں پھر بھی انکار پر انکار فرمارہے ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ایک ساتھی سے کہا کہ سن دانئیں یعنی کسی طرح بھی ہماری پیشکش کی قبولیت پر آمادہ نہیں سیٹھی صاحب مرحوم کیا جانیں کہ جن بزرگ سے ان کا واسطہ پڑا ہے ان کے پاس توکل وقناعت کے. کس قدر بیش بہا خزانے ہیں بظاہر تہی دست لیکن دلوں پر حکومت کرنے والے اس بادشاہ کو اپنے شہنشاہ مطلق کی امداد و نصرت پر کس قدر یقین ہے۔

گدائے میکدہ ام لیک وقتِ مستی بیں
کہ ناز بر فلک وحکم برستارہ کنم

وہ کان جو ابتداء ہی سے "الیس اللہ بکاف عبدہ اور من یتوکل علی اللہ فھو حسبہ کی سامع نواز سرگوشیوں سے آشنا ہو چکے ہوں وہ غیر اللہ کی آوازیں سننے کے کہاں متحمل ہوسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے جب اپنے توکل علی اللہ اور اعتماد باللہ کو اپنے صبر و استقامت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور ثابت کردیتے ہیں تو پھر آسمانوں کے خزانے ان کے لئے کھول دئیے جاتے ہیں یہ دیوانگان عشق بکار خویش بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ انہیں اس حقیقت کا مکمل ادراک ہوتا ہے، کہ توکل ایک ایسی سرمایہ کاری ہے جو اگرچہ دیر پا ہے لیکن اس کے منافع غیر محدود ہوتے ہیں۔ ان حالات میں حضرت شیخؒ کو اپنے قیمتی وقت کے ایک ایک لمحہ کے ضیاع کے احساس نے شدید بے چین کر رکھا تھا پورا ایک سال اللہ تعالیٰ کے حضور کامل الحاح وزاری سے دعائیں کرتے رہے کہ کسی طرح ایک دینی ادارے کے قیام کی سبیل پیدا ہو جائے۔

اسی دوران کراچی کے مشہور اشاعتی ادارے دار التصنیف کے بانی ومالک پیر محمد طفیل صاحب سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ ان بزرگ کا کراچی میں قرآن پاک کی اشاعت اور پیری ومریدی کا سلسلہ تھا۔ انہوں نے حضرت شیخؒ سے عرض کیا کہ میرے زیر تصرف ایک متروکہ جگہ ہندو دھرم سالہ موجود ہے، مزید اراضی کا حصول بھی ممکن ہے، آپ وہاں مدرسہ قائم فرمائیں میں اس کی مالی کفالت بھی کروں گا۔ حضرت شیخؒ نے اس کو منظور فرمالیا اس کے ساتھ ہی آپ نے حکومت کے ارباب بست وکشاد سے مدرسہ کے توسیعی مقاصد کے لئے مزید زمین کا مطالبہ کردیا۔ چنانچہ حکومت نے آپ کے اس مطالبے کو منظور کرتے ہوئے کراچی سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر حب ندی

کے راستہ میں "لال جیوا" کے مقام پر دس ایکڑ زمین آپ کو الاٹ کردی۔

اس قطعہ اراضی کے حصول کے بعد آپ کی طرف سے اخبار و جرائد میں ایک اعلان شائع ہوا کہ درس نظامی کے فارغ التحصیل طلبہ کے لئے درجہ تخصص اور درجہ تکمیل کا اجراء مذکورہ مدرسہ میں کردیا گیا ہے طلبہ کو درج ذیل نصاب پڑھایا جائیگا

(۱) مشکلاتِ القرآن (۲) مشکلات الحدیث

(۳) مذاہبِ فقہا کا متارنہ ابن رشد کی کتاب بدایة المجتہد کی طرز پر

(۴) مقدمہ ابنِ خلدون

(۵) حکیم الہند حضرت شاہ ولی دہلوی کی کتاب "حجة اللہ البالغة کا جزء اول

(۶) تاریخ ادب عربی کے لئے تاریخ الادب العربی۔ اورالوسیط

(۷) عربی مضمون نگاری اور لکھنے بولنے کی مشق اور اس سلسلہ میں جن کتابوں کی ضرورت محسوس ہو طلبہ کو یاد کروانا مثلاً ابن جدابی کی "کفایة المتحفظ" اسکانی کی مبادی اللغة العربیة ہمدانی کی الالفاظ العربیہ "اورابو منصور ثعابی کی فقہ اللغة وغیرہ

پاکستان کے علمی حلقوں میں حضرت شیخؒ کے علو مرتبت کی شہرت پہلے سے موجود تھی اس اعلان کے شائع ہوتے ہی درس نظامی کے فارغ التحصیل دس طلباء حضرت شیخؒ کی خدمت میں پہنچ گئے ان طلبہ میں بیشتر نے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم ایسے نامور علمی اداروں سے دورہ حدیث میں فراغت حاصل کی تھی کچھ طلبہ پاکستان کے مقامی دینی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔

دینی مدارس کے قیام کے لئے جن حوصلہ شکن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے حضرت شیخؒ بھی ان سے دوچار تھے مدرسہ کی عمارت کی تعمیر طلبہ کے خورد و نوش اور وظائف درسی کتب کا حصول اور اس قسم کے دیگر مسائل سے آپ کو نبرد آزما ہونا پڑا۔ آپ کے پاس ایک دوست کی بارہ سو روپے کی رقم بطور امانت پڑی تھی آپ نے ان سے قرض لیکر ضروری درسی کتابیں اور طلبہ کے لئے خورد و نوش کا انتظام فرمایا۔

مدرسہ کے قیام اور اس میں درس و تدریس کی راہ میں حائل موانع و عوائق کا نقشہ حضرت مولٰنا لطف اللہ صاحب مرحوم نے خوب کھینچا ہے فرماتے ہیں۔

> وہاں پر مولانا بنوری نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کردیا۔ اسوقت صرف دو جماعتیں تھیں ایک دورہ حدیث کی اور ایک درجہ تکمیل کی۔ مدرسے میں چونکہ ابتداءً کچھ نہیں تھا اس لئے مولانا نے تعلیمی و تدریسی رفاقت کے لئے پرانے دوستوں کو دعوت دی اور لکھا کہ فی الحال مدرسہ میں تنخواہ کی گنجائش نہیں ہے توکلاً علی اللہ کام کرنا ہوگا۔
>
> چنانچہ مولانا کی دعوت پر تین اشخاص نے لبیک کہا ایک تو مردان کے مولانا محمد یوسف صاحب تھے جو بنارس میں حدیث پڑھاچکے تھے، دوسرا راقم الحروف، اور تیسرے مولانا نافع گل صاحب تھے، مولانا محمد یوسف مردانی تو مدرسہ شروع ہونے کے کچھ ہی عرصہ بعد تشریف لے گئے یہاں پر بے سروسامانی کا عالم تھا کچھ عرصہ بعد مولانا نافع گل صاحب بھی واپس تشریف لے گئے۔ اور ہب ندی کے کنارے ایک ویرانے میں جسے لال جیوا کہتے ہیں ہم رہ گئے۔ یہاں ایک

عمارت میں (جس میں آج کل مولانا طفیل صاحب نے کوئی بڑی درسگاہ بنائی ہے ہماری رہائش تھی - تنخواہ کی تو خیر ہم کو ابتداء ہی سے توقع نہ تھی ؛ لیکن سب سے بڑھ کر مشکل طلبہ کے لئے خوردو نوش اور ضروریات زندگی کا سامان مہیا کرنا تھا، یہ ویرانہ کراچی سے خاصا دور تھا - وہاں کا پانی کڑوا تھا پینے کا پانی بھی کراچی سے لانا پڑتا تھا اس عمارت کے گرد پیش غلاظت کے ڈھیر تھے ؛ جہاں مکھیوں کا ہجوم رہتا تھا - ہم لوگ درخت کے نیچے درس دیتے تھے ،اور اس درخت پر سے ایک قسم کے کیڑے گرتے رہتے تھے ، مجھے یاد ہے کہ مولانا مرحوم ایک ہاتھ سے ان کیڑوں کو کتاب بخاری شریف سے دور ہٹاتے رہتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے بخاری شریف کے ورق الٹتے رہتے تھے - وہ واقعہ مجھے کبھی نہیں بھولتا کہ مولانا مرحوم کراچی جا کر طلبہ کے لئے کچھ خوراک کا سامان لائے وہ بے چارے طلبہ کی بجائے مولانا طفیل صاحب کے نیاز مندوں کے کام آیا

الغرض یہاں کا قیام ایسا تکلیف دہ تھا کہ اس کی تصویر کھینچنا ممکن نہیں یہ زمانہ مولانا کے صبر واستقامت کے امتحان کا وقت تھا ان دنوں مولانا مرحوم سراپا بے کسی وبیچارگی کا مجسمہ تھے -انہوں نے ان حالات کا بڑی جانکاہی اور پامردی سے مقابلہ کیا" دراصل پیر صاحب موصوف حضرت الشیخ کے علمی کمالات کے واسطے اپنا پیری ومریدی کا سلسلہ چمکانا چاہتے تھے جب کہ حضرت الشیخ کے عزائم ومقاصد خالص علمی اور دینی تھے -عزائم ومقاصد کے بُعد کے باوجود بھی حضرت الشیخؒ درس وتدریس کا کام جاری رکھے ہوئے تھے تاآنکہ اللہ تعالیٰ کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے بعد میں پیش آمدہ واقعات کا ذکر کرتے ہوئے لطف اللہ صاحب مرحوم لکھتے ہیں"

کہ مولانا مرحوم عید پر ٹنڈوالہ یار اپنے اہل وعیال کے پاس چلے گئے آپ کے بال بچے وہاں پر تھے کراچی میں مکان نہیں ملتا تھا - میں عیدالاضحیٰ کے دن طلبہ کے ساتھ کراچی آیا - مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی قبر پر فاتحہ پڑھی واپسی پر ہم لوگ جمشید روڈ کی جامع مسجد میں ٹھہرے جہاں آجکل شاندار مدرسہ ہے - طلبہ نے عید کے دن نوافل ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگی کہ اے اللہ ہم بڑے تکلیف دہ مقام میں ہیں ہم کو اسی مسجد میں ٹھکانہ دیدے بعض وقت اجابت (قبولیت وقت) کا ہوتا ہے - چار دن بعد مولانا گھر سے واپس آئے تو فیصلہ ہوا کہ اب یہاں کی بجائے کوئی دوسری جگہ ڈھونڈی جائے - چنانچہ مدرسہ کا سامان جواب تک خریدا جاچکا تھا ، وہ مولوی طفیل صاحب کے حوالے کردیا صرف چند کتابیں مدرسہ کو دیدی گئیں اور جامع مسجد بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ سے مشورہ کرکے مدرسہ اس مسجد کے احاطہ میں منتقل کردیا گیا-

مدرسہ کی تاسیس اور ابتدائی مشکلات :- حضرت الشیخؒ نے جامع مسجد کی انتظامیہ کو اس امر کا یقین دلایا تھا کہ مدرسہ کی تعمیر، خورد نوش کے اخراجات درسی اور حوالہ جاتی کتب کی خرید، اساتذہ کے مشاہرے اور مدرسہ کے دیگر واجبات کے لئے انہیں کسی قسم کے تعاون کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا- چنانچہ اس حال میں مدرسہ کا آغاز کیا گیا کہ جامع مسجد جوابھی اپنی تعمیر کے ابتدائی مراحل میں تھی طلبہ کے لیے درسگاہ کا کام بھی دیتی تھی اور خوابگاہ کا بھی، مسجد کے شمالی جانب ایک خستہ سا کمرہ تھا جس پر ٹین کی چھت پڑی ہوئی تھی

یہ کمرہ آپ کے اور آپ کے رفیق خاص مولانا لطف اللہ صاحب کے سامان کا امین بنا اس کمرے کی خستہ حالی اور تنگ دامانی غالب کے گھر کا نقشہ پیش کرتی تھی - چنانچہ رات بسر کرنے کے لئے دونوں بزرگ اپنے ایک دوست حاجی محمد یعقوب صاحب کے ہاں تشریف لے جاتے صبح کا ناشتہ انہی کے ہاں سے ہوتا، دوپہر اور شام کو ہوٹل کے مضر صحت اور ناقص کھانوں سے شکم سیری فرماتے۔

حضرت الشیخؒ کے استغناء و توکل اور للہیت کا یہ حال تھا کہ آپ نے مدرسہ کے اہتمام کا منصب خود سنبھالنے کی بجائے حاجی سید محمد خلیل صاحب مرحوم کو مہتمم بنادیا - حاجی صاحب مرحوم ایک اعلیٰ سرکاری عہدے سے ریٹائر ہوچکے تھے ان کے نامور فرزند حاجی سید محمد جمیل صاحب بھی ایک ریٹائر سرکاری افیسر تھے سید جمیل صاحب مرحوم اخلاص ووفا کے پیکر اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی چلتی پھرتی تصویر تھے راقم کو اپنے زمانہ طالب علمی کے دوران حاجی صاحب موصوف کی متعدد مرتبہ زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے انہیں اس حال میں دیکھا کہ دوپہر کی سخت گرمی میں مسجد کے کھردرے فرش پر اینٹ کا تکیہ بنا کر کمال طمانیت کے ساتھ محو استراحت ہیں ان کی داڑھی، سر اور ٹھوڑی کے سفید بال گلاب کی پتیوں سے بھی نازک تر اور سپید تر تھے چہرہ نضرۃ النعیم اور نضرۃ الحسنات کے حسن صورت اور حسن معنی کے نور سے جگمگا رہا تھا؛ یہ منظر اس قدر حسین تھا، کہ راقم دیکھتا ہی رہ گیا ان کی پیرانہ سالی جوانوں کے حوصلے اور جانفشانی کے لئے باعث رشک تھی۔

ایک اور بزرگ تھے حاجی محمد یعقوب صاحب دھلوی نہایت خدا ترس نیک دل اور اہل علم کے قدر شناس؛ خزاں رسیدہ خزانے کی نظامت ان کے سپرد کی گئی۔

یہاں دو مختصر واقعات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جن کا تعلق مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم سے ہے جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے یہ دونوں بزرگ ہوٹل سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے ؛ صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے ان بزرگوں کی صحت اپنی سادہ خالص اور حیاتین سے بھرپور غذا کی وجہ سے قابل رشک تھی لیکن ہوٹلوں کی ناقص، مضر صحت اور تیز مصالحوں سے بھرپور خوراک نے ان کی صحت پر نہایت مضر اثرات مرتب کئے ؛ خاص کر مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم تو شدید طور پر ضعف امعاء اور اسہال کا شکار ہوگئے ایک دن اس گرتی ہوئی صحت سے تنگ آکر حضرت الشیخ سے کہنے لگے۔

مولانا! میں اسہال کی تکلیف سے بہت پریشان ہوں آپ براہ کرم مجھے گھر جانیکی اجازت دے دیں مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم نے نامساعد حالات میں پوری پامردی صبر برداشت اور استقلال کا ثبوت دیا تھا - ان کی ذات حضرت الشیخؒ کے لئے ایک بہت بڑا سہارا تھی اب آپ نے ان سے گھر جانیکی اجازت طلب کی تو آپ کو یہ سہارا بھی ٹوٹتا ہوا نظر آیا آپ بہت دل گرفتہ ہوئے - اور آبدیدہ ہو کر فرمایا:

آپ تشریف لے گئے تو میں بالکل تنہا رہ جاؤں گا مجھے دو دن کی مہلت دیدیں، میں آپ کا علاج کرواتا ہوں خدانخواستہ اگر ان دو دنوں میں آپ کو افاقہ نہ ہوا تو میں آپ کو بذریعہ ہوائی جہاز گھر پہنچانے کا بندوبست کرونگا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا اور ہمارے شیخ کی کرامت کہ مولانا دو دن کے اندر اندر ہی مکمل طور پر صحت یاب ہوگئے اور پھر ان کا وطن واپسی کا ارادہ ترک ہوگیا۔

دوسرا واقعہ بھی انہی کی ذات سے متعلق ہے، مدرسہ کے اجراء کو ابھی چار ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ فصل ربیع کی کٹائی کا موسم آگیا،

مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم کی صوبہ سرحد میں کچھ زمینیں تھیں ان کی گزر بسر کا انحصار انہیں زمینوں پر تھا مدرسہ میں چونکہ سارا کام فی سبیل اللہ ہورہا تھا مدرسہ کے مالی حالات کسی قسم کی تنخواہ کی ادائیگی کے متحمل نہ تھے چنانچہ انہوں نے حضرت الشیخؒ سے کہا۔

مولانا! فصل کی کٹائی کے دن ہیں مجھے ایک ماہ کے لئے گھر جانے کی اجازت دیں تاکہ میں فصل سمیٹنے کا کچھ بند وبست کرآوں۔

حضرت الشیخؒ نے اپنے روایتی تبسم کے ساتھ فرمایا

میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حضرات مدرسین کے لئے میرے پاس کچھ رقم آئی ہے۔انتظار فرمائیں تاکہ آپ کے کرائے وغیرہ کا بندوبست ہوجائے۔مولانا لطف اللہ صاحب مرحوم یہ سن کر ہنس دیئے اور بے تکلفی سے کہنے لگے کہ بلی کو خواب میں بھی چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت الشیخؒ مسکراتے ہوئے مولانا لطف اللہ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا

مولوی صاحب چھیچھڑے تو آگئے یہ رقم مدرسہ کے فنڈ کا پہلا چندہ تھا۔مدرسہ کے لیے سب سے پہلا چندہ چھ سو روپیہ کی یہ رقم تھی جو حاجی وجیہ الدین صاحب مرحوم نے حضرت الشیخؒ کو دی تھی؛ اس میں سے دو سو روپے مولانا موصوف کو کرایہ آمدورفت دیا گیا۔ مولانا مرحوم ایک ماہ کی مدت اپنے گھر گزار کر واپس مدرسہ تشریف لے آئے۔

مدرسہ کے بنیادی اصول : کسی بزرگ کا قول ہے کہ دینی مدرسے کا قیام اگر دنیاوی اغراض ومقاصد کے لئے ہو تو یہ عذاب آخرت کا باعث بنتا ہے اور اگر اسکے قیام کا مقصد دین مبین کی اشاعت ہو تو یہ عذاب دنیا ہے اللہ کے جن نیک بندوں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لئے دینی مدارس قائم کئے ہیں انہیں راہ کی دشواریوں ،موانع وعوائق اور ابتلاء کے کٹھن مراحل کا خوب تجربہ ہے ان مشکلات پر صرف کمال درجہ کے توکل علی اللہ اور صبر وقناعت کے اعلیٰ ملکات کے ذریعے ہی قابو پایا جاسکتا ہے۔ اگر کسی مدرسہ کو دینی مدارس کے مروجہ طریق سے ہٹ کر مخصوص اصول وضوابط کے تحت چلایا جائے تو راہ کی یہ رکاوٹیں دوچند ہوجاتی ہیں لیکن بالآخر فوز وفلاح ،کامیابی وکامرانی اور فیوض برکات کے دروازے ایسے ہی مخصوص قسم کے مدارس پر کھولے جاتے ہیں۔

حضرت الشیخؒ نور اللہ مرقدہ نے اپنے مدرسہ کے لئے مشکل تر راستہ اختیار کیا اور چند ایسے اصول وضع فرمائے جو پہلے پڑھنے سننے اور دیکھنے میں نہ آئے تھے ، آپ نے سب سے اہم اصول یہ اختیار فرمایا کہ مدرسہ کو حاصل ہونیوالی آمدنی کو دو مدوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک مد زکوٰۃ وصدقات کی اور دوسری عطیات کی۔ زکوٰۃ فنڈ کی رقم صرف طلبہ کے اخراجات خورد ونوش اور وظائف کے لئے مختص کردی گئی اس فنڈ کو مدرسہ کی تعمیر، کتابوں کی خرید اور اساتذہ کرام کے مشاہرات وغیرہ میں پر مطلق خرچ نہ کیا جاتا تھا۔عطیات کے فنڈ سے اساتذہ کو تنخواہیں اور دیگر واجبات کی ادائیگی کی جاتی تھی بالعموم اہل ثروت زکوٰۃ کی بیشتر رقم دینی مدارس کو دیتے ہیں اور عطیات کی طرف کم توجہ دیتے ہیں اس طرح دینی مدارس کے پاس زکوٰۃ کے فنڈ میں خاصی رقم جمع ہوجاتی ہے۔ جب کہ عطیات کا فنڈ اکثر قلت کا شکار رہتا ہے۔ مدسہ عربیہ اسلامیہ میں کئی مواقع ایسے بھی آئے کہ زکوٰۃ فنڈ میں خطیر رقم موجود ہے جب کہ غیر زکوٰۃ کی مد

خالی ہے۔

ایک دفعہ حاجی محمد یعقوب صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مدرسین کی تنخواہوں کے لئے عطیات کی مد میں رقم نہیں ہے اگر آپ اجازت دیں تو زکوۃ فنڈ سے قرض لے کر اساتذہ کو تنخواہیں دے دی جائیں اور جب عطیات کے فنڈ میں رقم آئے گی تو زکوۃ فنڈ کا قرضہ واپس کردیا جائے گا۔

حضرت الشیخؒ نے بڑی سختی کے ساتھ منع کردیا اور فرمایا کہ میں اساتذہ کی آسائش کی خاطر خود کو دوزخ کا ایندھن نہیں بنانا چاہتا ۔ انہیں صبر کے ساتھ عطیات فنڈ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جانے والی رقم کا انتظار کرنا چاہیے۔ اور اگر صبر نہ کر سکتے ہوں تو انہیں اس امر کا اختیار ہے کہ وہ مدرسہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ تشریف لے جائیں۔

جب حضرت الشیخؒ کے پاس کوئی صاحب خیر چندہ دینے کی غرض سے حاضر ہوتا تو آپ اس سے فرماتے بھئی اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے تو آپ مجھے عطیات کی مد میں چندہ دیں زکوۃ کی رقم کی مجھے چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو غسالہ مال ہے ، امم سابقہ میں زکوۃ کے مال کو آسمان سے آگ اتر کر جلادیا کرتی تھی۔

اس اصول کی حضرت الشیخؒ اور آپ کے رفقاء کی طرف سے بڑی سختی سے پابندی کی جاتی تھی اس معاملہ میں تقویٰ واحتیاط کا یہ عالم تھا کہ احقر کے زمانہ طالب علمی کے دوران ایک بزرگ مدرسہ کے دفتر میں حساب کتاب کی خدمات سرانجام دیتے تھے جنہیں ہم احترام سے "منشی جی" کے نام سے پکارا کرتے تھے وہ طلبہ کے دارالاقامہ سے ملحق بیت الخلا کو استعمال نہیں کرتے تھے حتی کہ پینے اور وضوء کے لئے پانی بھی ان ٹونٹیوں سے نہیں لیتے تھے۔ حضرت الشیخؒ نے خود کو مدرسہ کے مالی امور سے بالکل الگ تھلگ کر لیا تھا ، خزانے کے ناظم اور منشی صاحب آمدنی اور اخراجات زکوۃ اور غیر زکوۃ کی مدات کا امتیاز کرتے ہوئے ایک ایک پیسے کا حساب رکھتے تھے خود مدرسہ سے اسی قدر مشاہرہ لیتے تھے جو بمشکل آپ اور آپ کے اہل خانہ کی کفالت کر سکے مدرسہ کی ایک نمایاں خصوصیت اس میں شعبہ مہمان نوازی کا عدم وجود ہے بالعموم یہ شعبہ اخراجات کی وسعت پذیری کے اعتبار سے دوسرے شعبوں پر محیط ہوتا ہے ۔ انتظامی کارکنوں کے لئے اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں انجذاب کے لیے اس میں ضرورت کے مطابق گنجائش ہوتی ہے دینی مراکز آمد وخرچ کے سالانہ گوشواروں میں صرفی تجاوزات کو واضح طور پر دیکھا جاسکتا ہے چنانچہ حضرت الشیخؒ نے اس قباحت کی بیخ کنی کی غرض سے یہ شعبہ ہی سرے سے قائم نہیں فرمایا ۔ مزید برآں آپ نے مدرسہ کے مالی اخراجات فراہم کرنیکی غرض سے نہ تو کوئی سفیر مقرر کیا اور نہ ہی اشتہارات کے مختلف ذرائع کی وساطت سے کبھی کوئی اپیل کی ۔ حتی کہ اس مقصد کے لئے سالانہ جلسوں کے انعقاد کا بھی سلسلہ نہ شروع کیا ۔ اہل ثروت ودولت سے آپ بکمال عالمانہ شان سے ملتے تھے تملق وخوشامد کا آپ کی ذات میں شائبہ تک نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ دولتمندوں کا علماء کرام سے تعلق تار عنکبوت سے بھی کمزور تر ہوتا ہے : ذرا ان کی منشاء کے خلاف کام ہوا یہ رشتہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔

صرف علماء راسخین ہی دینی مدراس کو صحیح طور پر چلاسکتے ہیں الغرض آپ نے اپنے عظیم علمی ادارے کو چلانے کے لئے خداوند قدوس کی ذات ہی پر بھروسہ کیا اور اور تمام اسباب ووسائل سے صرف نظر کیا۔

جلوہ کاروان ما نیست بہ نالہ جرس
عشق تو راہے برد شوق تو زادے دہد

کسی اہم منصوبے کو چلانے کے لیے بظاہر شاندار اصولوں سے صفحہ قرطاس کو مزین کیا جاسکتا ہے ایک ذہین شخص اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ایسے راستوں کا تعین کرسکتا ہے لیکن ان اصول وضوابط کی ٹھیک ٹھیک پاسداری اور **لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان**
ان متعین کردہ راہوں پر صحیح صحیح گامزن ہونا انہی نادرہ کار شخصیتوں کا کام ہے جو قلل الجبال اور دونہن حتوف ایسے جانگسل مراحل کو عبور کرنے کا عزم واستطاعت رکھتے ہوں الحمد للہ ہمارے شیخؒ نے راہ کی ان مشکلات کا کمال عزم وحوصلہ سے مقابلہ کیا ان کے عشق وشوق نے ان دشوار گزار راستوں پر ان کی گرمئ رفتار میں کمی نہ آنے دی حضرت الشیخ کی یہ ولولہ انگیز جدوجہد کاروان دین حنیف کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔

خارہا از اثر گرمئ رفتارم سوخت
منتے بر قدم راہروان ست مرا

جامعۃ العلوم الاسلامیہ کی یہ عظیم الشان عمارت، جدید سہولتوں سے آراستہ یہ درسگاہیں اور دفاتر یہ خوبصورت اقامت گاہیں طلبہ اساتذہ اور دفتری ملازمین کا یہ اژدہام ہر فن پر مشتمل ہزاروں کتابوں کا یہ شاندار ذخیرہ جن کی رونقیں اور بہاریں آج ہماری آنکھوں کو خیرہ کررہی ہیں۔

یہ گلستان علم وادب جس کی روح افزاء مہک سے ایک عالم اپنی روح کی غذا حاصل کررہا ہے اسکے ایک ایک بوٹے کو بادسموم کے جھونک سے بچانے کے لئے حضرت الشیخؒ کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑے ان کا ظاہری ومعنوی حسن زبان حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ میری جڑوں میں کسی آشفتہ سر کے خون دل کا ایک ایک قطرہ صرف ہوا ہے

آغشتہ ایم ہر سر خارے بہ خون دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

الغرض اس چمن زار علم کی باغبانی کے فرائض کی انجام دہی میں حضرت الشیخ نے بے پناہ عزم وہمت پیہم جدوجہد صبر وثبات اور غیر معمولی استقلال کا مظاہرہ کیا یہ مصائب وآلام ایثار وقربانی کی ایک طویل داستان ہے یہ ان کیفیات واردات کا قصہ الم ہے جو جاں گداز حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے دل ودماغ پر طاری ہوتی ہے، اسے حیطۂ تحریر میں لانے کے لئے ایک دفتر عظیم درکار ہے - کاش حضرت الشیخؒ کا کوئی فیض یافتہ غیر معمولی عزیمت کی یہ حکایت مرتب کرے تاکہ اللہ کے دین کی خدمت کرنے والوں کے لئے راہ کی دشواریاں آسان ہوجائیں۔

مدرسہ کے شعبہ جات:

مدرسہ عربیہ اسلامیہ جواب جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے موسوم ہے اس میں درج ذیل شعبے قائم کئے گئے ہیں ۔

(۱) درجہ حفظ و تجوید:

کلمات القرآن کی باحسن طریق ادائیگی تجوید کہلاتی ہے یہ ایک مستقل فن ہے تجوید کے قواعد کے مطابق بچوں کو قرآن پاک حفظ کرانے کے لئے مدرسہ میں ایک مستقل شعبہ قائم ہے اس درجہ میں ڈیڑھ سو سے دوسو تک طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ نصف درجن سے زائد قاری حضرات تدریسی خدمات سر انجام دیتے ہیں

(۲) مکتب برائے تعلیم قرآن کریم ناظرہ وقاعدہ وغیرہ: اس درجے میں بھی ڈیڑھ سو سے دوسو تک طلبہ ابتدائی قاعدہ اور قران کریم ناظرہ پڑھتے ہیں۔ دو معلم صاحبان بچوں کی ابتدائی تعلیم کا فریضۃ انجام دیتے ہیں

(۳) درجہ اعدادیہ: اس درجہ میں کم وبیش بچاس طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں ۔ ابتدائی عربی وفارسی کے قواعد انہیں سکھاتے ہیں تحریر وانشاء کی مشق کرائی جاتی ہے اس درجہ میں بالعموم وہ طلبہ داخلہ لیتے ہیں جو ابتدائی نوشت وخواند سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ اور انہیں آگے چل کر درس نظامی میں داخلہ لینا ہوتا ہے بالفاظ دیگر درس نظامی میں شامل کتب کے پڑھنے کے لئے جو علمی استعداد درکار ہے اس درجہ میں طلبہ میں وہ استعداد پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہیں ۔

(۴) **قسم ثانی:** اس شعبے میں صرف ونحو کی ابتدائی اور متوسط کتابیں قدوری سے ہدایۃ تک کی فقہی کتابیں شرح جامی، متنبی اور قطبی وغیرہ پڑھائی جاتی ہیں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ بھی اسی درجہ میں پڑھایا جاتا ہے ۔

(۵) **قسم عالی:** اس شعبے میں درس نظامی کی دیگر کتب یعنی ہدایہ مکمل، دیون حماسہ، سلم، مشکوۃ المصابیح اور صحاح ستہ تک تعلیم دی جاتی ہے ۔ صحاح ستہ کا امتحان وفاق المدارس کے زیر اہتمام ہوتا ہے ۔ اس امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو اسناد شہادت دی جاتی ہے ۔

(۶) درجہ تخصص فی علوم الحدیث:

جو طلبہ درس نظامی کے امتحان میں امتیازی نمبر لے کر کامیاب ہوتے ہیں انہیں مختلف علوم میں تخصص کے لئے داخلہ ملتا ہے ۔

چنانچہ جو طلبہ علوم الحدیث میں تخصص کے لئے داخل ہوتے ہیں انہیں علم حدیث سے متعلق تمام علوم کی اعلی ترین کتابوں کا مطالعہ کروایا جاتا ہے ۔ اسماء الرجال، اصول حدیث جرح وتعدیل مشکلات حدیث اور شروح حدیث کی بلند پایہ کتب کا طلبہ کو دوسال تک مسلسل روزانہ کم از کم نو گھنٹے علوم الحدیث کے ایک ماہر استاذ کی زیر نگرانی وہدایت مطالعہ کرنا پڑتی ہیں ہر سہ ماہی پر ان کا امتحان ہوتا ہے ۔ ایک خاص مدت تک کے مطالعہ کے بعد ہر طالب علم کو اسکے طبعی ذوق کی مناسبت سے ایک منتخب موضوع دیا

جاتا ہے جس پر وہ ایک مفصل مقالہ یا کتاب لکھ کر پیش کرتا ہے۔ اگر اس کا پیش کردہ علمی مواد نگران استاد کے قائم کردے معیار پر پورا اترتا ہے تو اور اسے تخصص فی علوم الحدیث کی سند دے دی جاتی ہے۔

(۷) درجہ تخصص فی الفقہ اسلامی :

درجہ تخصص فی علوم الحدیث کی طرح اس درجہ میں بھی فقہ کی چوٹی کی کتابیں مطالعہ کروائی جاتی ہیں۔ دار الافتاء میں آنے والے استفتاء کے جوابات اپنی نگرانی میں ان سے دلوائے جاتے ہیں قضاء سے متعلق امور کی بھی انہیں تربیت دی جاتی ہے اس طرح اخیر میں انہیں فقہ سے متعلق کوئی کتاب یا مقالہ لکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے مطلوبہ معیار پر پورا اترنے والے اس مقالہ پر انہیں تخصص فی الفقہ الاسلامی کی سند دی جاتی ہے۔

(۸) درجہ تخصص فی دعوۃ الوالارشاد :

اس درجہ میں درس نظامی کے فارغ التحصیل طلبہ کو دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے تیار کیا جاتا ہے، ان طلبہ کو ضرورت کے مطابق انگریزی زبان سے بھی روشناس کرایا جاتا ہے تاکہ غیر ممالک میں بھی تبلیغی خدمات سرانجام دے سکیں ان کی تعلیم مطالعہ اور امتحانات کا طریقہ بھی تخصص کے مروجہ طریقہ کی طرح ہے۔ مقالہ یا کتاب لکھنے پر یہ بھی تخصص کی سند حاصل کرتے ہیں

حضرت الشیخؒ اپنی زندگی میں انہی صرف تین تخصصات کا اجراء کر سکے جب کہ آپ کے ذہن میں درج ذیل مضامین میں تخصصات کا پروگرام بھی تھا، ان تخصصات کے اجراء میں ایک تو ماہر اساتذہ کی کمی کا مسئلہ درپیش رہا تھا اور دوسرے درمیان میں آپ کو بعض قومی اور ملی مشاغل نے اس قدر آگھیرا کہ آپ اس کام کے لئے کما حقہ توجہ نہ دے سکے ان گوناگوں مصروفیات نے آپ کی صحت بھی بری طرح متاثر کردی بہرحال ان تخصصات کے اجراء کا فریضہ آپ کے روحانی اور علمی وارثوں پر عائد ہوتا ہے،،وہ اہل بھی ہیں اور موفق بھی۔ اہل علم کی نظریں ان کی طرف لگی ہوئی ہیں

(الف) درجہ تخصص فی علوم القرآن ومشکلاتہ

(ب) درجہ تخصص فی والتوحید والفلسفۃ

(ج) درجہ تخصص فی الادب واللغۃ

(د) درجہ تخصص فی التاریخ الاسلامی

(ر) درجہ تخصص فی العلوم العصریتہ من لاقتصادوالمعیشتہ والسیاستہ والاجتماع وعلوم طبیعۃ الحدیثۃ

(۹) دار التصنیف

طبعی طور پر حضرت الشیخؒ علم وفضل کے انسان تھے علمی مشاغل اور محافل میں ان کی طبیعت کا یہ جوہر پوری طرح کھلتا تھا ایک تو اپنے اس طبعی رجحان اور دوسرے اپنے اس عظیم الشان علمی مرکز کی ناگزیر ضرورت کے تحت تالیف وتصانیف کا ایک جداگانہ شعبہ قائم فرمایا ریسرچ کے اس کام کے لئے آپ نے جو کمرہ مختص فرمایا اس میں ہر موضوع کی نادر کتابوں کا ایک شاندار ذخیرہ جمع

فرمایا- درسی اور انتظامی مصروفیات سے فارغ ہو کر اسمیں تشریف فرما ہوتے- معارف السنن جلد سادس کے کچھ ابواب عوارف السنن کا بیشتر حصہ اور بعض دوسری کتب پر تحقیقی مقدمات کا کام آپ نے اسی کمرہ میں انجام دیا- حضرت الشیخؒ کے ساتھ آپ کے دو مایہ ناز شاگرد برادرم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار اور مولانا محمد امین اور کزئی آپ کی علمی رہنمائی میں تحقیقی کاموں میں مصروف تھے اور اب تک یہ فریضہ سر انجام دے رہے ہیں حضرت الشیخؒ نے اپنے ان دونوں فاضل شاگردوں کے ذمہ درجہ ذیل کام لگایا تھا

(۱) ڈاکٹر حبیب اللہ مختار کو آپ نے لب اللباب فیما یقولہ الترمذی وفی الباب کی ذمہ داری سونپی تھی-

ڈاکٹر صاحب موصوف کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ علمی ذوق سے نوازا ہے تحقیقی و تصنیفی کاموں سے انہیں دلی رغبت ہے وہ اس ذمہ داری سے باحسن طریق عہدہ برا ہو رہے ہیں ان کے کام معتد بہ حصہ زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے-

(۲) دوسرے صاحب مولانا محمد امین صاحب اور کزئی کو حضرت الشیخؒ کے علوم وفیوض سے خصوصی مناسبت حاصل ہے- حضرت الشیخؒ کی رہنمائی میں انہوں نے شرح معانی الآثار للطحاوی کی احادیث کی تخریج اور مذہب کی تلخیص کا کام شروع کیا، وہ اگرچہ متخصص فی علوم الحدیث ہیں، لیکن حضرت شیخ نے ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے بیک وقت حدیث اور فقہ کی خدمات جلیلہ ان کے سپرد کی ہیں-

انہوں نے اس عظیم الشان کام کو جس شاندار طبقے سے سرانجام دیا اہل علم حضرات خصوصاً احناف ان کے ممنون واحسان ہوں گے-

(۱۰) دارالافتاء یہ ادارہ جامعہ علوم الاسلامیہ کے ابتدائی دور سے ہی قائم ہے- اور ایک عرصہ سے استاذ محترم حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کی زیر صدارت وسیع پیمانے پر فقہی خدمات سرانجام دے رہا ہے- روزانہ اندرون ملک اور بیرون ملک سے استفتاء اس ادارے میں آتے ہیں جن کے جوابات بالترتیب انہیں بھیج دئے جاتے ہیں مقامی طور پر لوگ زبانی بھی فقہی مسائل دریافت کرنے کی غرض سے آتے ہیں- حضرت الشیخؒ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی فقہی صلاحیتوں پر زبردست اعتماد فرماتے تھے اور ان کے تحریر کردہ جوابات کی تصویب و توثیق فرماتے تھے- اس وقت اس ادارے میں چار حضرات حضرت مفتی صاحب کی نگرانی وہدایت کے مطابق استفتاء کا کام کر رہے ہیں

(۱۱) ماہنامہ بینات یہ ایک ماہوار مجلہ ہے جو حضرت الشیخؒ کی باقیات الصالحات میں سے ایک ہے، یہ حضرت الشیخؒ کی زیر سرپرستی شروع ہوا اس کے پہلے مدیر استاذ مکرم مولانا محمد ادریس میرٹھی تھے آجکل مولانا محمد یوسف لدھیانوی اس کی ادارتی ذمہ داریوں سے عہدہ براہو رہے ہیں وہ حضرت الشیخؒ کے قائم فرمودہ عنوان سے بصائیر وعبر کے نام سے اس کے ادارئیے قلمبند فرماتے ہیں- اردو زبان میں آپ کی علمی تحریروں میں بصائیر عبر کو ایک خاص مقام حاصل ہے، جو شخص اردو زبان میں آپ کی اعلی اور پاکیزہ تحریریں پڑھنے کا شوقین ہو اسے بصائرو عبر کے مجموعہ کو ضرور پڑھنا چاہیے-

اجازت حدیث

اگرچہ حضرت الشیخؒ کو علم کے مختلف شعبوں میں نابغانہ کمال حاصل تھا لیکن علم حدیث سے آپ کا اشتغال واشتغاف خصوصی نوعیت کا تھا اس علم شریف کے عالی مرتب حاملین کا جہاں جہاں بھی آپ کو سراغ ملا آپ کی علمی تشنگی وہاں وہاں ان کے چشمہ ہائے فیض سے سیرابی حاصل کرنے کے لئے آپ کو کشاں کشاں لئے پھری - چنانچہ آپ کے شیوخ حدیث میں جہاں ایک طرف ہمیں ہندوستان کے اکابر رجال حدیث نظر آتے ہیں وہاں عرب دنیا کے مشاہیر محدثین سے بھی آپ نے اکتساب فیض کیا ہے: ذیل میں حضرت الشیخؒ کے اکابر اساتذہ کرام کی فہرست دی جاتی ہے -

(۱) امام العصر حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ

(۲) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(۳) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ

(۴) حضرت مولانا عبد الرحمن امروہیؒ

(۵) حضرت مولانا عزیز الرحمنؒ

(۶) محقق کبیر شیخ علامہ محمد زاہد الکوثریؒ

(۷) عالم کبیر شیخ خلیل الخالدی المقدسیؒ

(۷) استاذ کبیر و محدث جلیل شیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی الجکنی الشنقیطی (کلیۃ اصول الدین مصر کے استاذ حدیث)

(۸) محدث جلیل شیخ عمر بن حمدان المحرسی المالکی المغربیؒ

(۹) محدثہ شیخہ امۃ اللہ بنت شاہ عبد الغنی المجددی محدث دہلوی ثم مدنی

(۱۰) الشیخ حسین بن محمد الطرابلسیؒ

غیر ملکی تلامذہ اجلہ: حضرت الشیخؒ کی علمی فضیلتوں کا اشہرہ عرب دنیا کے علمی مراکز تک پہنچا ہوا تھا جب حضرت بلاد عربیہ کے سفر پر تشریف لے گئے تو اس دور کے نامور علماء نے حضرت الشیخ سے تلمیذانہ تعلقات استوار کئے چنانچہ متعدد علماء نے آپ سے اجازت حدیث حاصل کی آپ کے بعض اجلہ تلانذہ کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں -

(۱) شیخ سلیمان بن عبد الرحمان الصنیع (مکہ مکرمہ کے ادارہ ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کے سربراہ)

(۲) محدث شیخ حسن المشاط (مکہ مکرمہ کے مدرسہ صولتیہ کے مدرس)

۳) محترم بزرگ شیخ ابراہیم ختنی مقیم مدینہ منورہ

(۴) شیخ عبد العزیز عیون السود حمصی شامی

(۵) شیخ علی محمد مراء حموی

(۶) عالم جلیل شیخ عبد الفتاح ابوغدہ وغیرہم

جیسے ٹٹ پونجیوں کی طرف رجوع کرنا سخت غیر موزوں امر ہے۔
آپ جب کہ مولانا کی بارگاہ میں رسوخ رکھتے ہیں تو کیوں نہ وہاں سے اعتراف فرمائیں۔ مولانا محمد شفیع الدین صاحب (مرحوم) کے پاس سے آپ ہوئے عرصہ گزر گیا۔ اور غالباً اس کے بعد دو تین دفعہ زیارت کی بھی نوبت آئی ہے۔ مگر کبھی تذکرہ تک نہ آیا تھا۔۔

بہر حال اگر جناب کو مجھ نالائق اور ننگ اسلاف سے حسن ظن ہے، اگرچہ وہ غیر واقعی ہے میں اپنی استطاعت اور لنگڑی قابلیت کے ساتھ خدمت کے لئے حاضر ہوں حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کو حضرت سید آدم بنوری قدس سرہ العزیز سے بہت زیادہ مناسبت تھی اور سلوک میں انہی کے طریقہ کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اگرچہ مبتدی کے لئے چشتیہ کے اذکار و اعمال کو زیادہ تر مفید فرماتے تھے مگر انتہا میں حضرت سید صاحب ہی کا طریقہ ان کو پسند تھا، بہر حال عمدہ صورت یہ ہوتی کہ آنجناب سے بالمشافہ گفتگو ہو جاتی مگر اب اس وقت اس کا موقع نہیں ہے۔

آپ روزانہ ذکر قلبی اسم ذات کا پانچ ہزار مرتبہ کر لیا کریں، یعنی قلب کی طرف جو بائیں پستان سے چار انگل نیچے ہے توجہ فرما کر یہ خیال باندھیں کہ قلب سے لفظ اللہ نکلتا ہے اور حسب قاعدہ من احب شیاً اکثر ذکرہ، قلب نہایت بے چینی سے اور محبت سے اس محبوب حقیقی کا نام لیتا ہے۔

یہ ذکر باوضو قبلہ رو ہونا چاہیے یہ ضروری نہیں کہ یہ ایک مجلس میں ہو جس طرح آپ کو آسانی ہو خواہ ایک مجلس میں یا متعدد مجالس میں کریں۔ اگر آخر شب میں ہو تو بہت بہتر ہے مگر لازم نہیں جس وقت بھی آسانی سے ہو سکے: البتہ اس وقت معدہ خالی ہونا چاہیے اور یہ مقدار روزانہ پوری ہونی چاہیے۔ اور اس سے زائد جسقدر بھی چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے باوضو، بے وضو کر سکیں اس میں کمی نہ کیجئے اس قدر توغل کیجئے کہ طبیعت ثانیہ ہو جائے، وضو ہمیشہ رہنا اس کے لئے مفید تر ہے۔ آئندہ وقت ملاقات عرض کرونگا اگر خواب وغیرہ کوئی چیز معلوم ہو تو لوگوں سے تذکرہ نہ کریں دعوات صالحہ سے اس روسیاہ کو فراموش نہ فرمائیں۔

والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ

۲۰ شعبان ۱۳۵۹ھ

روحانی تعلیم و تربیت اور بیعت اجازت کے لئے حضرت الشیخؒ کا ان متذکرہ بزرگان دین کے علاوہ کسی دوسرے سے تعلق معلوم نہیں خود آپ نے اپنی حیات طیبہ میں کسی اور منبع معرفت سے اپنے روحانی استفادے کا ذکر نہیں فرمایا البتہ حضرت کے دور کے نامور اہل صفا سے آپ کمال اکرام و اجلال اور غایت درجہ تعلق خاطر سے ملا کرتے تھے۔ آپ نے مولانا حماد اللہ صاحب قدس سرہ کی خدمت میں متعدد مرتبہ حاضری دی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے کمال عقیدت و ارادت رکھتے تھے ان حضرات کی تشریف آوری پر بے پناہ بہجت و سرور کا اظہار فرماتے۔ اور مدرسہ میں ان سے قیام کی نیازمندانہ درخواست فرماتے۔

حضرت الشیخؒ کا طریقہ تدریس

تدریس و تعلیم حضرت الشیخؒ کا محبوب ترین مشغلہ تھا اپنی زندگی کے آخر ایام تک جو کم بیش نصف صدی پر محیط ہے تشنگان علوم نبوی کو اپنے چشمہ علوم ومعارف سے مستفید فرماتے رہے اس مدت کے دوران متعدد علمی مراکز کی اعلیٰ ترین تدریسی مسندیں آپ کی ذات سے موقر ومعظم رہیں ہزارہا طلبہ نے اس منبع فیوض سے اپنے دامان علم کو بھرا۔

چنانچہ دنیا کے ہر خطہ میں آپ کے تلامذہ اور فیض یافتگان کی ایک کثیر تعداد مختلف حیثیتوں سے دینی خدمت میں مصروف ہے۔ ان میں داعی و مبلغ بھی ہیں، پروفیسر بھی، اعلیٰ امام و خطیب بھی، دینی مدراس میں اساتذہ بھی، اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پروفیسر بھی علمی و تحقیقی اداروں میں تحقیق وتدقیق کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اور تالیف و تصنیف کے مشاغل میں منہمک ہیں۔

الغرض اپنے اپنے طبعی میلان ذوق اور استعداد کے مطابق علمی ودینی خدمات میں مصروف عمل ہیں۔

حضرت الشیخؒ نہ صرف علوم قدیمہ میں مجتہدانہ مہارت رکھتے تھے بلکہ جدید علوم کی متعدد شاخوں کا بھی انہوں نے وسیع مطالعہ فرمایا تھا۔ ایک طرف اگر انہیں علوم القرآن، لغات القرآن، تفسیر القرآن، علوم الحدیث، لغات الحدیث، اسماء الرجال، فقہ اور اصول فقہ شعروادب عقائد وکلام، سیرت وتاریخ، تصوف واخلاق، فلسفہ ومنطق علم الهیئت اور علم نحو وغیرہا ایسے قدیم علوم میں مقام عبقریت حاصل تھا تو دوسری طرف معاشیات، علم السیاسۃ، علوم طبیعۃ، جدید فلسفہ، جدید سائنسی انکشافات خلائی معلومات اور جدید نظم ونثر کے جیسے جدید علوم میں بھی کمال درجہ کا بلوغ ورسوخ حاصل تھا گویا حضرت الشیخ کی ذات جدید و قدیم علوم میں مجمع البحرین کی حیثیت رکھتی تھی مزید براں جدید علوم وانکشافات کی روشنی میں شرعی مسائل واشکالات حل کرنے میں آپ کو غضب کا ملکہ حاصل تھا۔

چنانچہ آپ کی علمی مجلسوں میں دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ اور جدید علوم سے بہرہ ور طبقے کے لئے اپنی علمی پیاس کی تسکین کا سامان موجود ہوتا تھا۔

آپ جس موضوع پر بھی گفتگو فرماتے یوں اس کی تمام جزئیات اور تفصیلات اس انداز میں بیان فرماتے گویا یہی آپ کا محبوب ترین موضوع ہے۔ اور اسی میں آپ نے تخصص حاصل کیا ہے۔

احقر کو حضرت شیخ کے درس بخاری میں شرکت کا شرف واعزاز حاصل ہے۔ یہ نسبت تلمذ مجھے متاع دوجہاں سے عزیز ہے۔ ایک نادرہ روزگار شخصیت ایک محدث جلیل اور محقق العصر اور ایک علامہ الدھر کی زیارت ہی صد فخر ومباہات کا موجب ہے چہ جائیکہ ان سے علمی استفادہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی ہو۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت شیخ جب درس گاہ میں تشریف لاتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے بدر وشہاب اپنی تمام جلوہ سامانیوں کے ساتھ ان کے

جلو میں آرہے ہوں قدسیوں کی کوئی جماعت اپنے انوار کا ہالہ کئے ہوئے سراپا اکرام اجلال ہو۔

درس گاہ میں ایک عجیب قسم کا ملکوتی سکوت طاری ہوجاتا در و دیوار سے انوار و تجلیات کی شعاعیں پھوٹتی محسوس ہوتیں، یوں محسوس ہوتا جیسے طلبہ کے ساتھ ملاء الاعلیٰ کی ایک جماعت بھی محو سماعتِ درسِ شیخ ہو۔ پھر جب درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوتا اور زیر درس کسی مسئلے کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کا آغاز فرماتے تو علم پورے جاہ و جلال اور رعب و دبدبے کے ساتھ آموجود ہوتا۔ ایک ایک مبحث کو پوری تفصیل اور شرح و بسط سے بیان فرماتے۔ ائمہ فقہاء کے مذاہب ان کے دلائل اور وجوہ ترجیح پر سیر حاصل بحث فرماتے بیان مذاہب میں ائمہ عظام کا ذکر غایت درجہ احترام اور کمال ادب سے کرتے۔ رجال حدیث کے تذکرہ میں ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال ذکر فرماتے روایات کے شذوذ و علت پر متنبہ فرماتے۔ عدل و انصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے صحیح موقف بیان فرماتے۔ بعض علماء حدیث کے تجاوزات کا شکوہ کرتے ہوئے ان کے مدلل و مسکت جوابات بیان کرتے۔

الغرض آپ کا درس صرف زیر درس کتاب کے متون و حواشی اور مطبوعہ شروح تک ہی محدود نہ ہوتا تھا بلکہ ایسی ایسی نادر معلومات سے طلبہ کے دامان علم کو بھر دیتے۔ جو آپ کو اس علم و فن کی نایاب کتب اور مخطوطات سے حاصل ہوئی تھیں پھر حضرت الشیخ کی اپنی وقیع آراء اور نادر علمی توجیہات آپ کے درس کو چار چاند لگا دیتی تھیں۔

چنانچہ طلبہ نہ صرف حضرت الشیخ کی پیش فرمودہ متنوع معلومات سے اپنے دامن علم کو مالامال کرتے بلکہ انہیں ایسی مطول و مبسوط کتب کا بھی علم ہوجاتا جن میں زیر بحث مسئلے کو مزید شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہو اسطرح علمی ذوق رکھنے والے طلبہ کو اپنے علم میں گیرائی اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے راہنما مواد حاصل ہوجاتا۔

حضرت الشیخؒ، اپنی تقریر میں کسی اہم نکتے کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کرنے کے لئے زور دے کر گفتگو فرماتے اہم نکات ذہن نشین کراتے ہوئے اعادہ و تکرار سے بھی کام لیتے دوران تقریر بار بار بطور تکیہ کلام طلبہ سے استفسار فرماتے کہ "آیا خیال میں"

حضرت الشیخؒ، کا طریقہ تدریس اپنے شیخ حضرت محدث کشمیری کے درس سے مستفاد و مقتبس تھا۔ آپ کے ہاں طلبہ کو املاء کا رواج نہ تھا عملاً طلبہ کے لئے حضرت الشیخؒ کی تقریر کو ضبط تحریر میں لانا ممکن بھی نہ تھا ایک تو آپ کے بیان میں غضب کی روانی تیزی اور جوش ہوتا اور دوسرے طلبہ آپ کی طلاقت لسانی، شیریں بیانی اور خوش مقالی کے سحر میں کھو جاتے طلبہ کی محویت و سحرزدگی کا یہ عالم ہوتا کہ وہ عالم تحیر استعجاب میں جلال و جمال کے اس پیکر اعظم کے نظارہ دید میں کھو جاتے ایسے میں کسی کو قلم و قرطاس کا ہوش کہاں رہتا ہے **کانہم علی رؤوسہم طیر** کی کیفیت ہر طالب علم پر طاری ہوتی حقائق و معارف کے متموج سمندر کے بہاؤ کو قلم کی گزرگاہ کا پابند بنانا حیطۂ امکان سے باہر تھا۔

بالعموم دینی مدارس کے اساتذہ جب کسی کتاب کی تدریس کا آغاز کرتے ہیں تو کچھ عرصہ تک اپنی تقریر میں ہر مبحث پوری تفصیل اور شرح و بسط سے بیان فرماتے ہیں، لیکن آگے چل کر انکا جوش بیان اور روانی تقریر مدہم پڑ جاتی ہے۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ زیر درس کتاب جلد سے جلد ختم ہو اور انہیں دماغی تعب و مشقت سے سکون حاصل ہو۔ حضرات طلبہ اور انتظامیہ پر اپنا علمی رعب بٹھانے کے لئے ابتداء میں خوب محنت سے مطالعہ کرکے مجلس درس میں آتے ہیں لیکن بعد میں سستی اور کاہلی کی وجہ سے اپنے اس طریقہ

درس کو نبھا نہیں پاتے۔ انہیں اپنی کتاب ختم کرانا ہوتی ہے اس لئے نصف سال کے بعد کتاب کے متن کے معمولی مفہوم اور قراءت پر ہی اکتفاء کرتے ہوئے ایک دوڑ لگادیتے ہیں، بعض کاہل اور درس سے گریز پا طلبہ بھی اپنے استاذ کی اس دوڑ سے خوش ہوتے ہیں تاکہ انہیں بھی کچھ دن کے لئے مجلس درس میں باقاعدہ حاضری سے رخصت مل جائے۔۔

مچھلی کو ڈھیل مل گئی وہ اس پہ شاد ہے
اور صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

لیکن حضرت الشیخؒ کا انداز درس ان حضرات سے مختلف ہوتا آپ کے درس کی ابتداء جس شان وشوکت وولولہ شوق اور روانی بیان سے ہوتی کتاب کے آخر تک اس انداز میں مطلق فرق نہ آتا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تدریس محض زیر درس کتاب کی معلومات سے طلبہ کو آگاہ کرنا نہ ہوتا تھا بلکہ آپ کے پیش نظر طلبہ کے علمی ذوق کو نکھارنا سنوارنا اور صقیل کرنا ہوتا تھا۔ اس لیے دوران درس جب بھی کسی مسئلے کی توضیح وتشریح کے لئے بسط وتفصیل کی ضرورت ہوتی۔ آپ اس کا ضرور اہتمام فرماتے، چونکہ علم سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا، اس لئے دوران تدریس آپ ہر قسم کے تفکر، تکلف اور گرانی طبیعت کو فراموش کردیتے اور سراپا علم دین بن جاتے تھے۔

وسعت مطالعہ: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت اور علمی استفادہ واستفاضہ میں ظاہری وسائل کو بہت کم دخل حاصل ہے آپ کی باقاعدہ تعلیم کا عرصہ دیوبند اور ڈابھیل کی تین سال کی مدت پر محیط ہے اسلئے آپ کے علمی کمالات اور آپ کی نادر معلومات کو شیوخ کے ساتھ آپ کی طویل ملازمت ومصاحبت کا رہین منت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن جس چیز نے آپ کو علم وفضل کی انتہا تک پہنچادیا۔ وہ حضرت امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری سے آپ کا کمال درجہ کا روحانی اتحاد وانصباغ ہے حالانکہ تلمیذ وشیخ کے مابین یہ رشتہ ظاہری طور پر نہایت ہی قلیل مدت پر مشتمل ہے، لیکن اس قلیل مدت میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ غیر معمولی صلاحیت واستعداد حاصل کرلی تھی جس کی بدولت آپ نہ صرف اپنے شیخ کے علوم ومعارف کے خزانوں کے وارث وجانشین قرار پائے، بلکہ علم وفضل کی دیگر معادن تک بھی آپ کی رسائی ممکن ہوئی یہ استعداد وصلاحیت دونوں بزرگوں کے ذہنی و روحانی اتحاد وانصباغ کی بدولت حاصل ہوئی اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں قسام ازل کی طرف سے ودیعت غیر معمولی علمی صلاحتیں اس تعلق خاطر کی وجہ سے اجاگر ہوئیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جس ولولہ انگیز انداز میں اپنے شیخ کی والہانہ وعاشقانہ خدمت کی عشق ودیوانگی اور شیفتگی وآشفتہ سری کے جن مظاہر کا آپ نے اظہار کیا، انھوں نے آپ کے شیخ کے دل میں بھی آپ کے لئے محبت ومودت کے جذبات پیدا کردئیے۔

وجبب فان الحب داعیة الحب

جب خادم ومخدوم اور تلمیذ وشیخ کے مابین اس نوع کا تعلق پیدا ہوجاتا ہے تو پھر تلمیذ کے لیے طویل ملازمت ومصاحبت کی شرط باقی نہیں رہتی یہ تعلق بذات خود اس قدر مؤثر اور قوی ہے کہ تلمیذ کا انداز تفکر وتدبر اور فہم وتعلم اپنے شیخ کے ہم رنگ ہوجاتا

ہے۔ اس کے اعضاء و جوارح اپنے شیخ کے انداز پر محو عمل ہوجاتے ہیں۔ حتی کہ اس روحانی انصباغ سے ظاہری شکل وصورت میں کمال درجہ کی مشابہت پیدا ہوجاتی ہے۔ بہرحال تلمیذ اپنے شیخ کی ظاہری وساطت کے بغیر ہی اپنے شیخ کے علوم و معارف سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ شیخ کی معلومات و مسموعات سے تلمیذ بلاواسطہ ہی مستفیض ہوجاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے غیر معمولی ذہانت و ذکاوت، اخاذ طبیعت، دقیقہ شناسی، نکتہ رسی سرعت فہم اور حافظہ کی غیر معمولی صلاحیت سے نوازا ہوا تھا۔ ان فطری خوبیوں اور صلاحیتوں کو منتہائے کمال تک پہنچانے کے لئے کسی مرد کامل کی ضرورت تھی، جو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت امام العصر کی شکل میں مل گئی۔ بالفاظ دیگر حضرت شاہ صاحب نے ایک باکمال جوہری کی طرح خانوادہ بنور کے اس ناتراشیدہ ھیرے کی آنکھوں کو خیرہ کو دینے والی فطری جگمگاہٹ اور تابانی کو اپنی ماہرانہ تراش خراش سے اجاگر کردیا لیکن یہ امر کس قدر حیران کن ہے کہ اگر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی فطری صلاحیتیں اور خوبیاں یوں نمایاں ہوکر سامنے نہ آتیں تو حضرت شاہ صاحب کے نادر حقائق و معارف زیب قرطاس ہی بنے رہتے یہ ہمارے شیخ کا اہل علم طبقے پر احسان عظیم ہے، کہ آپ نےؒ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے ایجاز، ایماء، اغلاق اور اقتصار کو اپنی نابغہ صلاحیتوں کے ذریعے پوری تشریح و تفصیل کے ساتھ بیان کرکے انہیں اہل علم کے لئے قابل فہم اور لائق استفادہ بنادیا۔ اگرچہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ و مستفیدین میں جید علماء کی ایک بڑی جماعت تھی لیکن ان کے علوم کی ترجمانی و شرح کی خدمت جلیلہ کا اعزاز صرف ہمارے شیخ کو حاصل ہے کہ علماء نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کو علوم انوری کا امین ووارث اور نائب وجانشین قراردیا ہے۔

اس تمہید کے عرض کرنیکا مقصد صرف یہی ہے کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات ظاہری اسباب و سائل کے منت کش نہیں ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ سے آپ کی مختصر مدت کی ملازمت و مصاحبت نے آپ کے فطری جواہر و محاسن کو صقیل کردیا اور یوں آپ کے دل میں وسعت مطالعہ کے لئے ایک شدید لگن اور تڑپ پیدا ہوئی جو آپ کو علم وفضل کے ہر مرکز کی طرف کشاں کشاں لئے پھری۔

چنانچہ آپ نے زندگی کے آخری لمحات تک اپنی وسعت مطالعہ اور ازدیاد علم کے تمام ممکنہ ذرائع سے استفادہ کیا۔

چونکہ علم میں اضافے کا بہترین ذریعہ مطالعہ ہے اس لئے عمر بھر آپ کو کتابوں سے خصوصی شغف رہا۔ دنیائے کتاب کے بارے میں آپ کی معلومات نہایت وسیع تھی علوم عالیہ وآلیہ کی ہر شاخ کے بارے میں ایک ایک کتاب کا انہیں علم تھا۔ کسی بھی فن کی کسی بھی کتاب کے بارے میں آپ سے جب بھی استفسار کیا جاتا تھا، تو آپ اس کتاب کے مباحث، ضخامت، تالیف، صاحب تالیف اور سنہ تالیف، سنہ اشاعت حتی کہ مقام اشاعت تک کے بارے میں مکمل معلومات فراہم فرمادیتے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں اپنے والد ماجد کے کتب خانہ سے کشف الظنون اور اسکے ذیل کا مطالعہ کیا تھا جس کی بدولت آپ اسلامی علوم وفنون پر تحریر کردہ بیشتر کتابوں سے آپ واقف ہوگئے تھے۔

آپ کے شفیق ماموں مولانا فضل ہمدانی بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی کتب خانہ میں بھی موجود اسلامی علم وفن پر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کا ایک عظیم الشان ذخیرہ آپ کی نظر سے گزرچکا تھا۔ بلکہ آپ نے ان کتب کی ایک فہرست بھی مرتب فرمائی تھی،

اور یوں کتابی دنیا کے بارے میں آپ کی معلومات میں مزید اضافہ ہوا پھر دیوبند اور ڈابھیل میں اپنے زمانہ تعلیم کے دوران علم و فضل کے جن جبال راسیات سے استفادہ کا موقعہ ملا ان میں بعض ایسے بھی تھے جنہیں اسلامی علوم وفنون کے چلتے پھرتے انسائیکلو پیڈیا کہنا بے جا نہ ہوگا۔ یہ عالی مرتبت اساتذہ دوران تدریس اپنے طلبہ کو زیر بحث موضوع ومسئلہ کی معلومات کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر تحریر کردہ درسی کتابوں کے بارے میں بھی بیش بہا معلومات فراہم کرتے تھے۔ ایک ایک کتاب کے بارے میں معلومات کو صفحہ ذہن پر مرتسم فرماتے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی زندگی کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوتا ہے جب آپ ۱۹۳۷ء میں بلاد عربیہ کے سفر پر تشریف لے گئے۔ علمی نقطہ نظر سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ سفر بہت مبارک ثابت ہوا۔ اس سفر کے دوران آپ کو عالم عرب کے نامور علماء سے ملاقات کا موقع ملا۔ خصوصا عالم اسلام کے نامور فرزند علامہ زاہد الکوثری کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوا حضرت علامہ مرحوم قدیم وجدید علوم میں درجہ امامت پر فائز تھے۔ پورا عالم اسلام ان کی علمی فضیلتوں کا معترف تھا۔

انہیں قدیم علوم کی جدید انداز میں تشریح کرنیکا ملکہ تامہ حاصل تھا حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ان سے متعدد علمی مجلسیں منعقد ہوئیں آپ نے علمی لحاظ سے ان سے بہت زیادہ استفادہ کیا۔ ان علمی مجلسوں کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تفکر وتدبر کی نئی راہیں کھلیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ حقائق ومعارف کے میدان میں انہیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہم پلہ قرار دیتے تھے، علاوہ ازیں آپ نے مصر شام، ترکی اور حجاز کے تمام بڑے بڑے کتب خانوں کو کھنگال ڈالا۔ آپ ہر کتب خانے میں صرف ان کتابوں پر نظر ڈالتے جن سے پہلے وہ واقف تھے۔ پھر اپنے ذوق کے مطابق کتابوں کا انتخاب کر کے ان کی ایک یادداشت نوٹ فرماتے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی سرمائے کی وہ یادداشتیں اور مذکرات اب بھی محفوظ ہیں۔

کتابوں کے بارے میں ان کی معلومات محض ان کی تالیف ضخامت اور اشاعت ہی تک کی معلومات تک محدود نہ ہوتیں بلکہ آپ ایک عالم محقق کی طرح گہرے ناقدانہ انداز سے ان کا مطالعہ فرماتے۔ اس کی علمی حیثیت کا تعین فرماتے۔ اس کی اغلاط کتابت کی نشان دہی فرماتے، کتاب میں موجود کسی گمراہ کن نظریہ یا خیال کی تغلیط فرما کر حاشیہ پر صحیح موقف تحریر فرمادیتے۔

الغرض کتابوں کے بارے میں آپ کی معلومات نہایت وسیع، ٹھوس اور محقق ہوتیں چونکہ ذہانت وفطانت اور حافظہ کی غیر معمولی دولت سے مالا مال تھے جو کچھ مطالعہ فرماتے وہ کالنقش فی الحجر ہو جاتا آپ کثیر المطالعہ اور سریع المطالعہ تھے، ایک ایک دن میں چار پانچ سو صفحات کا بغیر کسی تعب وگرانی کے مطالعہ فرمالیتے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعہ کی سرعت وکثرت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ آپ نے اپنی کتاب معارف السنن کی تالیف وتدوین کے دوران کم وبیش دو لاکھ صفحات کا مطالعہ کیا اگر معارف السنن کی تالیف کو پچیس سال پر مشتمل کردیا جائے تو روزانہ آپ کا مطالعہ اوسطاً تقریبا دو سو پچاس صفحات بنتے ہیں۔ حالانکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس دوران اپنی تدریسی اور تصنیفی ضروریات کے تحت دوسرے مسائل وموضوعات کے بارے میں بھی مطالعہ فرماتے رہے ہونگے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی زندگی میں اسلامی علوم وفنون کی مختلف کتابوں کے کس قدر صفحات کو اپنے مطالعہ کی نظر سے گزرا ہوگا۔ شاید آپ پورے تیقن سے اس کا تخمینہ نہ لگا سکے ہوں۔ تاہم ان کی تعداد کو ملیون کے ہندسہ سے شمار کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ قدیم علوم کی ہر شاخ پر آپ کی مجتہدانہ نظر تھی لیکن ان میں سے درج ذیل تین علوم سے متعلق کتب کا مطالعہ ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔

(۱) علوم القرآن والتفسیر

(۲) علوم الحدیث اور شروح الحدیث

(۳) عربی ادب

(۱) **علوم القرآن:** قرآن مجید سر چشمہ رشد و ہدایت اور منبع علم و عرفان ہے، خدا کی آخری کتاب بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے دنیا میں فوز و فلاح حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ اس منبع انوار و تجلیات سے اپنے قلب و روح کو مستیز کرنے والے علوم القرآن پر مشتمل جس قدر بھی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ کتب دستیاب تھیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کم و بیش ان سب سے استفادہ کیا۔ قرآن کریم کے معارف و حقائق کو سمجھنے میں جن تفاسیر سے مدد لی جاسکتی تھی آپ نے ان سب کا کلیۃً یا جزاء مطالعہ فرمایا۔ اگرچہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خواندہ و مطالعہ کردہ کتب علوم القرآن و تفاسیر القرآن کی مکمل فہرست دینا ممکن نہیں تاہم ان میں سے بعض متداول و معروف کتب کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(الف) **علوم القرآن** (۱) الاتقان للسیوطی (۲) البرہان لزرکشی (۳) التسہیل العلوم التنزیل للکلبی (۴) التیسیر فی علوم القرآن للدمیری (۵) الفوائد المشوق الی علوم القرآن لابن القیم (۶) التبیان فی اقسام الدین القیم (۷) الکسیر فی علوم التفسیر للجزری (۸) الفوز الکبیر لشاہ ولی اللہ (۹) القرآن والعلوم العصریہ للطنطاوی (۱۰) اعجاز القرن للباقلانی (۱۱) اعجاز القرآن للرمانی (۱۲) اعجاز القرآن للخطابی (۱۳) اعجاز القرآن للرافعی (۱۴) اعجاز القرآن لعبد الکریم الخطیب (۱۵) تاریخ فکرۃ اعجاز القرآن لبہجۃ البیطار (۱۶) التصویر الفنی فی القرآن لسید قطب (۱۷) مشاہد القیامۃ لسید قطب۔

علاوہ ازیں اردو زبان میں علوم القرآن پر جس قدر بھی وقیع علمی مواد جمع ہو چکا ہے۔ اس کا اکثر و بیشتر حصہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے گزرا ہے۔

(ب) **تفاسیر القرآن:** برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں متعدد تفاسیر اکابر علماء دیوبند اور ان کے فیض یافتگان کے قلم اعجاز رقم سے منصہ شہود میں آچکی ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے علمی اور تفسیری افادات سے بھرپور استفادہ کیا ہے جہاں تک عربی زبان میں تفاسیر کا تعلق ہے درج ذیل مشہور تفاسیر کلی یا جزوی طور پر مطالعہ فرمائی ہیں۔

(۱) جامع البیان للطبری (۲) اعراب القرآن للزجاج (۳) درۃ التنزیل وغرۃ التاویل للاسکافی (۴) الدر المنثور للسیوطی (۵) مدارک للتنزیل للنسفی (۶) لباب التاویل للخازن (۷) البحر المحیط لابن حبان (۸) زاد المیسر لابن جوزی (۹) مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر

رازی (۱۰) تفسیر الکشاف للزمخشری (۱۱) اعجاز القرآن للجصاص (۱۲) احکام القرآن لابن العربی (۱۳) جامع لاحکام القرآن للقرطبی (۱۴) غرائب القرآن در غائب الفرقان لنظام نیشاپوری (۱۵) سراج المنیر شربینی (۱۶) ارشاد العقیل السلیم لابی سعود (۱۷) تفسیر القرآن لابن کثیر (۱۸) تبصیر الرحمان للمہائمی (۱۹) سواطع الہام للفیضی (۲۰) روح البیان لاسماعیل حقی (۲۱) روح المعانی آلآلوسی (۲۲) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز لمجد الدین الفیروز آبادی (۲۳) تفسیر المنار لعلامہ رشید رضا (۲۴) تفسیر المراغی (۲۶) تفسیر جواہر القرآن للحموی (۲۷) اضواء البیان للشنقیطی (۲۸) فی ظلال القرآن السید قطب (۲۹) تفسیر القرآن الحکیم لمحمود شلتوت۔

علوم حدیث : بلاشبہ علوم الحدیث میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو مجددانہ بصیرت حاصل تھی آپ نے شیخ التفسیر کی مسند جلیلہ پر قرآنی حقائق ومعارف سے ایک عرصہ تک طلبہ کو مستفید فرمایا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب علوم القرآن پر آپ کا مقدمہ یتیمۃ البیان فی شیء من علوم القرآن ایک بے نظیر تفسیری شاہکار ہے۔ لیکن جس علم شریف نے آپ کو اپنے اقران ومعاصرین میں ممتاز ومنفرد بنایا وہ علوم الحدیث کے ساتھ آپ کا والہانہ لگاؤ ہے۔

نبوغ فی علوم الحدیث ہی کی وجہ سے آپ کو امام العصر اور محقق عثمانی کی جانشینی ونیابت کا اعزاز حاصل ہوا۔ اور اسی کی بدولت برصغیر پاک وہند کے موقر علمی اداروں کی طرف سے شیخ الحدیث کی مسند کو رونق بخشنے کی آپ سے درخواستیں کی گئیں۔

الغرض رشد وہدایت اور علم وعرفان کے اس منبع ثانی سے حضرت شیخ نے غیر معمولی فیوض وبرکات حاصل کئے ہیں ذیل میں علم الحدیث، لغات الحدیث، اور شروح الحدیث کی ان متعدد کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو حضرت الشیخؒ کے زیر مطالعہ رہی ہیں۔

(الف) علوم الحدیث : (۱) مقدمہ ابن صلاح (۲) التقید والایضاح للعراقی (۳) فتح المغیث بشرح الفیتہ الحدیث للعراقی (۴) فتح المغیث بشرح الفیتہ الحدیث للسخاوی (۵) الکفایۃ فی علوم الروایۃ للخطیب (۶) معرفۃ علوم الحدیث للحاکم (۷) تدریب الروی للسیوطی (۸) النظر فی شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی (۹) ظفر الامانی فی شرح مختصر المعانی لجرجانی (۱۰) الباحث الحثیث لابن کثیر (۱۱) مفتاح السنتہ للخولی (۱۲) توجیہ النظر الی اصول علم الاثر للجزائری (۱۳) شروط الائمۃ الخمسۃ للحازمی (۱۴) مقدمہ فتح الملہم لعثمانی (۱۵) مقدمہ اعلاء السنن للتھانوی (۱۶) بلغتہ الغریب فی مصطلح آثار الحبیب للزبیدی (۱۷) الرسالتہ المتطرفتہ للکتانی (۱۸) بستان المحدثین شاہ عبد العزیز (۱۹) عجالتہ نافعہ شاہ عبد العزیز (۲۰) السنۃ ومکانتہا فی التشریح الاسلامی لسباعی۔ (۲۱) السنتہ قبل التدوین لحجاج الخطیب (۲۲) اضواء علی السنۃ المحمدیہ الابی ریتہ (۲۳) تدوین حدیث لمناظر احسن گیلانی (۲۴) ابن ماجہ اور علم حدیث لعبد الرشید النعمانی وغیرہ اس کے علاوہ بے شمار کتب جو ہزاروں کو پہنچتی ہیں مضمون کی طوالت کے پیش نظر اختصار سے کام لیا جاتا ہے

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک یاد گار علمی تقریر

یہ غالباً ۱۹۶۸ء یا ۱۹۶۹ء کی بات ہے لاہور میں انجمن خدام القرآن کی طرف سے لاہور کارپوریشن کے جناح ہال میں انجمن کے بانی ڈاکٹر اسرار احمد کی صدارت میں سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ انجمن کی طرف سے شائع کردہ اشتہارات میں ان اصحاب علم وفضل کا ذکر تھا جنہیں اس کانفرنس میں دعوت خطاب دی گئی تھی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی بھی ان اصحاب کی فہرست میں شامل تھا احقر اپنے چند احباب کی معیت میں وہاں پہنچا تو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔

آپ کا خطاب شروع ہونے میں ابھی چند منٹ باقی تھے کہ اہل لاہور کا ایک کثیر مجمع جو آپ کی علمی فضلیت سے آگاہ تھا۔ جناح ہال میں سراپا انتظار تھا۔ اس میں دینی مدارس کے طلباء بھی تھے اور اساتذہ بھی کالجوں اور یونیوسٹیوں کے پروفیسر حضرات بھی تھے۔ اور اخبارات وجرائد کے صحافی بھی مساجد کے ائمہ وخطباء بھی تھے اورزبان وادب کے شائقین بھی۔

الغرض ہر مکتبہ فکر کے افراد کا ایک پروقار اجتماع تھا لاہور کو اپنے اعلیٰ علمی ذوق اور فضیلت پر ہمیشہ سے نازرہا ہے اس کی علمی مجلسوں میں اظہار خیال کرتے وقت اہل علم وقلم کو اپنے زیر بیان موضوع کی ایک ایک تفصیل کو نہایت احتیاط اور پابندی سے روشن وواضح کرنا پڑتا ہے۔

وقت مقررہ پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ تقریر کے لئے کھڑے ہونے جلسہ گاہ میں موجود روشن چہروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تو آپ کی علمی جولانیوں نے انگڑائی لینا شروع کردی۔ آپ کا موضوع خطاب تھا۔

" مقام حدیث "

خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے اپنے موضوع پر خطاب کا آغاز فرمایا علم حدیث کی تعریف اس علم شریف کے اعلیٰ مرتبت حاملین کے لئے جناب رسالت مآب ﷺ کی طرف سے بشارتوں اورانعامات کا ذکر صحابہ کرام میں اس علم کے حصول وحفاظت کی لگن اور تڑپ، باھمی مذاکرہ اور مبادلہ کے لئے ان کی فداکارانہ مساعی کا حال جب اہل مجلس نے سنا تو ان کے دلوں میں جہاں ایک طرف صحابہ کرام کی تعظیم وتوقیر کے جذبات فروغ پذیر ہونا شروع ہوگئے تو وہاں دوسری طرف حضرت الشیخ کے ملفوظات عالیہ سے متمتع ومستفیض ہونے کے لیے ان کی توجہات آپ کے خطاب کی طرف مبذول ہوگئیں۔ وہ محسوس کرنے لگے کہ آج چمن زار علم وادب کی نسیم نوبہار ان کے دل ودماغ کو اپنی روح پرور مہک سے معطر کررہی ہیں۔

پھر جب آپ نے علم حدیث کی کتابت وحفاظت، جمع وتدوین اور تسوید وتبییض کی ولولہ انگیز تاریخ بیان فرمائی تو مجمع اپنے اپنے آباء واجداد کے بے مثال علمی کارناموں پر جھوم اٹھا۔

حدیث کی اہمیت وحجیت اور اس کے تشریعی مقام ومرتبہ اور پھر قرآن وحدیث کے باہمی ناگزیر اور غیر متزلزل تعلق کا حال اس علمی انداز میں بیان فرمایا کہ اہل مجلس پر حیرت واستعجاب کے عالم میں ایک سکتہ ساطاری ہوگیا۔ پھر آپ نے مختلف مجموعہ ہائے

احادیث کی تسوید وتدوین میں محدثین عظام کے اختیار کردہ اصول وضوابط اور حدود وشرائط کی تاریخ بیان فرمائی احادیث کے بیان واسناد تصحیح وتضعیف، تہذیب وتنقیح، تعداد طرق، جرح وتعدیل، رواۃ اور ان کے اسماء وکنیات، اور وصل وانقطاع کے حالات نہایت حسن خوبی کے ساتھ بیان فرمائے۔

کتب احادیث کے عالی مرتبت مدونین فقہاء عظام اور شراح حدیث کی حیران کن خدمات ان کی ذکاوت وذہانت ان کے قابل رشک حافظہ، ان کی طبائع کے غیر معمولی اخذ وقبول صلاحیتیں پھر اس علم شریف کے حصول کے لئے قدسیوں کے اس گروہ کی مجاہدانہ جدوجہد جانگسل مساعی، اور مصائب وتکالیف کے تحمل کا بے مثال عزم وحوصلہ غرضیکہ علمی لحاظ سے تاریخ عالم کے اس روشن زریں دور کی تاریخ کا ایک ایک باب پوری شرح وتفصیل کے ساتھ بیان فرمایا پھر جب آپ نے معلم کائنات ﷺ کے ارشادات وفرمودات عالیہ کے جوامع الکلام ان کے حسن صوت، حسن ترتیب اور حسن معنی اور پھران میں مخفی علوم ومعارف حقائق ودقائق اور اسرار وحکم خداوندی کا ذکر چھیڑا تو مجمع کا حیرت واستعجاب دید کے قابل تھا۔ معلوم ہوتا تھا جیسے کسی ماہر عامل نے اپنے ماہرانہ عمل تنویم کے ذریعے اہل مجلس پر نیم خوابیدگی کی کیفیت طاری کردی ہو۔ محویت وسحر زدگی، استغراق وخود فراموشی اور تحیر کے اس عالم میں کرسی صدارت پر متمکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بے خود ہو کر بار بار اٹھتے اور پکار پکار کر کہتے کہ "

واللہ مجھے آج مقام حدیث سے آگاہی حاصل ہوئی ہے خدا کی قسم مجھے آج حدیث کی تشریعی اور قرآن کریم کے ساتھ اس کے ناگزیر تعلق کی حقیقت معلوم ہوئی ہے۔ اہل لاہور نے ان اپنے تمام تر علمی کمالات کے باوجود جب ایک دینی مدرسے کے ایک بوریہ نشین درویش کی علمی وسعتوں کا نظارہ کیا تو انہیں اپنی تنگ دامانی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔

لیکن حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان کے تحسین وآفرین کے جذبات کی پروا کئے بغیر اپنی شیریں مقالی اور عالی بیانی سے عظمت حدیث کی داستانیں بیان فرمارہے تھے، چمنستان نبوی کا بلبل ہزار داستان اپنی مسحور کن ترنم ریزیوں سے چہک رہا تھا لگتا تھا جیسے علم وفضل کا ہمالیہ آج اہل لاہور پر مہربان ہو گیا ہے وہ آج ان پر علوم وفضائل کے جمیع دفائن وخزائن اور حقائق ومعارف کے جملہ جواہرولآلی الٹ دینے کو ہے اسلامی علوم وفنون کی ہر شاخ آپ کے حضور دست بستہ کھڑی نظر آتی تھی۔ الفاظ ومعانی کے ایک سیل بیکراں کا ملاء اعلی سے نزول ہورہا تھا، عربی، فارسی اور اردو کے اشعار آپ کی تقریر میں نگینوں کی طرح جڑے چلے جارہے تھے، محاورات ضرب الامثال اور نادر تشبیہات واستعارات کے ذریعے الفاظ ومعانی کی قوس قزح میں حسین رنگ بھرے جارہے تھے لیکن اس انداز میں کہ تقریر کی شگفتگی وشائستگی، حسن وجمال اور تحکم وجلال کا ایک حسین امتزاج اپنی ساحرانہ تاثیر سے دلوں پر حکمرانی کررہا تھا۔

احقر اپنے احباب کی موجودگی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اپنی نسبت تلمذ پر سراپا فخر ومباہات بنا ہوا تھا۔ آج حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فضائل ومناقب کے بارے میں اس خادمؒ کے ایک ایک دعوے کی تصدیق ہورہی تھی دل میں عقیدت وجانثاری کے جذبات کا ساکن سمندر آج بھرپورے تموج پر تھا جی چاہتا تھا کہ اٹھوں اور اپنی چاہتوں کے سارے سجدے اپنے کعبہ دل کی چوکھٹ کی نذر کردوں فرط عقیدت سے ہونٹ یہ کہنے اور کرنے کے لئے بیقرار تھے کہ

دعنی اقبل رجلیک یاسید المفسرین یا امام المحدثین یاعالم الحدیث فی علله

حق کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے جس کے الفاظ و تعبیرات سہو وتسامح سے پاک ملاء اعلیٰ کے مصدق وموثق ہوتے ہیں اور جب حق خود اپنی زبان میں بولتا ہے تو وہ اپنے علمی فیوض سے جہالت و بطلان کی ہر ظلمت کا پردہ چاک کر کے رکھ دیتا ہے۔ دلوں کا اس کے انوار سے منور ہونا ناگزیر ہوتا ہے۔

الامن ختم اللہ علیہا۔ آج حق اپنے پورے جوبن کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دے رہا ہے آپ چاہیں تو اسے کرشمہ عقیدت کہ ڈالیں لیکن یہ حقیقت مبالغے کے شائبہ سے پاک ہے کہ گذشتہ چودہ صدیوں کے جملہ اسلامی علوم وفنون حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں مجتمع ومرتکز ہو کر آپ کی زبان سے اپنی عظمتوں کا حال بیان کر رہے تھے۔

آج کے دن امام مالکؒ کا احادیث نبویہ کے لئے اکرام واجلال عود کر آیا تھا، امام ابو حنیفہ اوران کے اجلہ تلامذہ کی ثقاہت وفقاہت کوزبان مل گئی تھی بدروشہاب کی علمی موشگافیاں ابن دقیق العید اور عزالدین عبدالسلام کی نکتہ آفرینیاں خطابی طیبی اور ابن رجب کے لطائف وطرائف اور شاہ ولی اللہ اور غزالی کے اسرار ورموز پیکر یوسفی میں ڈھل گئے تھے۔ اہل مجلس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ راغب غرائب القرآن اور غرائب الحدیث کی شرح فرمارہے ہیں۔

نووی وابن نجیم فقہی جزئیات روایات کا استقصاء کررہے ہیں۔ ابن رشد وابن قدامہ احادیث کا مقارنہ وموازنہ فرمارہے ہیں۔ ابن صلاح اور عراقی مصطلح الحدیث کے نوع بنوع مسائل کی گتھیاں سلجھارہے ہیں، اور مزی وذہبی رواۃ حدیث کے نام ونسب طبقہ ورتبہ اور احوال ووقائع کی تفصیل سنارہے ہیں اس مجلس میں ہم نے ابن تیمیہ کی وسعت نظر ابن قیم کی سلامت فکر، ابن ہمام کی قوت استدلال، سیوطی کے تبحر وتوسع اور ابن ندیم اور حاجی خلیفہ کے کتابیات پر عبور کا نظارہ کیا کوثری کا تصلب وتعقب، انور شاہ کا علمی تبحر اور عثمانی کی تحقیقی لطافتیں اپنی جملہ جلوہ سامانیوں کے ساتھ علمی ضیاباشیاں کرتے ہوئے دیکھیں۔

الغرض یہاں ایک عالم ایک عالم میں جلوہ فگن نظر آیا۔ اڑہائی تین گھنٹے کی اس تقریر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم الحدیث پر جو نادر اور وقیع معلومات فرمائیں ان کی سماعت ومشاہدے سے قلب وروح کو تازگی وشادمانی تو حاصل ہوئی ہے لیکن انہیں قلم وقرطاس کا پابند بنانا ممکن نہیں قلم کو اپنی درماندگی اور قرطاس کو اپنی کوتاہ دامنی کی وجہ سے یارائے نقش ورقم نہیں

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز، دم درکش
حمید ایں قصہ عشق است در دفتر نمے گنجد

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر ملکی اسفار

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں متعدد مرتبہ علمی، دینی اور تبلیغی مقاصد کے لئے غیر ملکی اسفار کئے۔ ممالک عربیہ کے علمی ادارے آپ کے علمی کمالات سے آگاہ تھے۔ چنانچہ آپ کو ان اداروں اور ان ممالک کی حکومتوں کی طرف سے منعقد ہونے والی کانفرنسوں میں متعدد بار شرکت کا موقع ملا، افریقہ کے بیشتر اسلامی ممالک میں آپ تبلیغی مقاصد خصوصاً ان ممالک میں قادیانیوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کو روکنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اسی مقصد کے لئے آپ نے یورپ کے بعض ممالک کا سفر بھی اختیار کیا۔ ان اسفار کی روئیداد ایک دفتر ضخیم کی متقاضی ہے۔ ذیل میں بعض اہم اسفار کو باختصار بیان کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اولین سفر: حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا اولین غیر ملکی سفر ۱۹۳۷ء میں دیار مصر کا اختیار فرمایا ڈابھیل کی مجلس علمی نے جس کے آپ رکن تھے آپ کو اور مولانا سید احمد رضا بجنوری کو فیض الباری اور نصب الرایہ کی طباعت کے لئے اس سفر پر بھیجا" فیض الباری" حضرت سید محمد انورشاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تقاریر بخاری کا مجموعہ ہے جو آپ کے تلمیذ رشید مولانا سید بدر عالم میرٹھیؒ نے آپ کے درس بخاری کے دوران قلمبند کیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ تقاریر کا خود بنظر غائر مطالعہ کر کے اسکے تشنۂ مباحث کی تکمیل کر کے اسے قابل اشاعت بنایا تھا۔ دوسری کتاب نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ للزیلعی تھی۔

اس کتاب پر گوجرانوالہ کے مولانا عبد العزیز صاحب اور کامل پور کے مولانا محمد یوسف صاحب نے بعض حواشی کا اضافہ کر کے اس کتاب کی علمی اہمیت کو دوچند کر دیا تھا۔ موخر الذکر کتاب کی تصحیح و تنقیح کے لئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت زیادہ محنت کرنا پڑی۔

اس کتاب کی طباعت سے پہلے آپ نے حرمین شریفین کے دو قلمی نسخوں اور دار الکتب المصریہ میں موجود دو مطبوعہ نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اس پر خود ایک وقیع اور پر مغز علمی مقدمہ لکھا، اور محقق العصر علامہ محمد زاہد الکوثری سے بھی ایک مدلل مقدمہ لکھوایا۔ فیض الباری پر بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جاندار، ٹھوس اور معلومات سے بھرپور مقدمہ لکھا۔ اس مقدمہ میں آپ نے ہندوستان میں علم حدیث کی ترویج واشاعت اور طریقہ تعلیم وتدریس پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

اپنے شیخ حضرت امام العصر کا ترجمہ آپ کی درس بخاری کی خصوصیات اور شرح حدیث میں آپ کے مخصوص طرز بیان کو بڑے مفصل انداز میں بیان فرمایا۔

ان دونوں کتابوں کے مسودات کی تصحیح وتسوید اور تکمیل کے بعد آپ نے مصر کے مختلف مطابع سے رابطہ قائم کیا۔ (ٹائپ کے حروف ان کے سائز کے تعین اور طباعت کے انداز کا اپنے اعلیٰ فطری ذوق کے مطابق مقابلہ مختلف مطابع سے کر کے سب سے بہتر اور

اعلیٰ مطبع سے کتابوں کی طباعت کروائی۔

اس سفر کے دوران آپ کو جن بلند علمی شخصیتوں سے شرف ملاقات حاصل ہوا ان میں علامہ شیخ خلیل خالدی مقدسی محدث کبیر شیخ عمران بن حمدان موسیٰ مالکی مغربی اور استاذ کبیر شیخ محمد بن حبیب اللہ بن مایابی الجکنی الشنقیطی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان بزرگوں سے آپ نے اجازت حدیث بھی حاصل کی لیکن جس عظیم المرتبت، بلند پایہ اور محقق دوران شخصیت نے آپ کے دل دماغ پر اپنے نبوغ وعبقریت کے انمٹ نقوش مرتسم کئے۔ وہ حضرت علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ ہیں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ سے یادگار علمی مجلسیں رہیں۔ ان مجلسوں میں حضرت امام علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کے تبحر علمی نے حضرت الشیخ کو بہت متاثر کیا آپ ان کی علمی عظمتوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

وہ ایک ایسے شخص تھے جو انتہائی وسعت علمی، حیران کن مہارت، دقت نظر، خارق عادت حافظہ۔ متحیرانہ استحضار جیسی خصوصیات کے ساتھ علوم روایت کے تمام انواع واقسام، علم درایت کے تمام مقاصد ومدارک، مکارم اخلاق، خصائل حمیدہ تواضع، قوت، لایموت پر قناعت، زہد وتقویٰ، مصائب پر صبر واستقامت، کریمانہ ذات، اپنے خزائن علمیہ اور معارف گنجینہ میں سخاوت کے جامع تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بسیطۃ ارض کے مختلف گوشوں کے نادر مخطوطات اور دنیا کے کتب خانوں کی معلومات پر وسیع علم رکھتے تھے۔ مزید براں دین کی آبرو کی حفاظت پر حمیت وغیرت اور ملت اسلامیہ تک حق بات پہنچانے میں صاف گو اور بے باک تھے۔"

خود حضرت امام علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل کے بہت معترف تھے۔ ان ملاقاتوں سے قبل ہی آپ کی علمی شہرت ان تک پہنچ چکی تھی۔ اور جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ بغرض ملاقات ان کی خدمت میں پہنچے تو انہوں نے نہایت پرتپاک اور نہایت خندہ پیشانی سے آپ کا خیر مقدم کیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے اپنی ملاقات کے تاثرات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

میں جب ان کی خدمت میں حاضر ہوا تب مین نے انہیں اپنی ملاقات کا ایسا ہی راغب اور شائق پایا جیسا کہ میں ان کا تھا۔ پھر میں نے جب تفصیلی ملاقات کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ اس شخص کا علمی مقام اپنی تصانیف اور مقالات سے بہت بلند بالا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مملکت مصر میں علم کا ایک بیش بہا خزانہ ہیں،

انہی ملاقاتوں میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام علامہ شیخ محمد زاہد الکوثری رحمۃ اللہ علیہ کو ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے اعاظم رجال کے دینی، علمی، تبلیغی اور اصلاحی کارناموں سے آگاہ کیا۔

فیض الباری اور نصب الرایہ کی طباعت کو ایک طویل پراسیس سے گزر کر پایہ تکمیل تک پہنچنا تھا، جس کے لئے ایک اچھی خاصی مدت درکار تھی۔ آپ نے ان فارغ اوقات کو غنیمت جانا اور اپنے علمی ذوق کی تسکین کے لئے مصر کے مختلف علمی مراکز کتب خانوں اور علمی شخصیات سے راہ رسم پیدا کی۔ جدید عربی لٹریچر کا مطالعہ کیا، جرائد ومجلات جدید ادباء کے ادبی شہ پاروں سے شناسائی حاصل کی۔ اخذ وقبولیت کے غیر معمولی ملکہ کی وجہ سے آپ نے اپنے عربی اسلوب تحریر کو مصر کے نامور ادیبوں کے انداز تحریر سے ہم

آہنگ کرلیا۔

چنانچہ آپ نے قاہرہ کے علمی مجلات میں مختلف عنوانات کے تحت علمی مقالات لکھنے کا ایک سلسلہ شروع کیا ان ایام میں آپ نے اکابر علماء دیوبند کا تعارف کراتے ہوئے ان کے علمی مقام ، ان کے اسلوب تدریس ، دیوبند کے نصاب تعلیم دینی اور تصنیفی خدمات اور اسکے مایہ ناز فرزندوں کے احوال پر مشتمل ایک مفصل مقالہ تحریر فرمایا

اس مقالے کا عنوان تھا۔ النھضة الدينيه الحاضرة دارالعلوم الديوبندية هي اساسها۔

یہ مقالہ قاہرہ کے اسبوعی مجلہ الاسلام " کی مسلسل چار قسطوں میں شائع ہوا (۱) اس کی پہلی قسط ۳ جمادی الثانی ۱۳۵۷ ھ بمطابق یکم جولائی ۱۹۳۸ء منصہ اشاعت پر رونما ہوئی۔ اس مقالے کی علمی اور ادبی وجاہت نے آپ کی علمی شہرت کو مصر کے اہم علمی مراکز تک پہنچادیا نتیجۃً مصر کے مدیران جرائد نے آپ سے رابطہ قائم کرکے اس موضوع پر مزید تفصیل بیان کرنے کی فرمائش کی۔

مصر کے مشہور عالم دین شیخ محمد حامد فقہی رئیس جماعت انصار السنہ کی فرمائش پر آپ نے ایک شاندار علمی مقالہ سپرد قلم کیا اس کا عنوان تھا دارالعلوم بدیوبند فی الهند ومنهاج دراستها فی الحدیث۔

یہ مقالہ جناب شیخ محمد حامد کے رسالہ "الهدى النبوى" میں شائع ہوا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قیام مصر کے دوران مسئلہ فلسطین کے بارے میں عالم اسلام کے نامور علماء کی قاہرہ میں ایک کانفرس بلائی گئی۔ ہندستان سے مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب بطور مندوب اس کانفرنس مین شرکت کے لئے تشریف لائے۔ اس سے قبل حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقالات کےوجہ سے علماء ازہر اکابر علماء دیوبند کی گرانقدر تصنیفات اور ان کی ولولہ انگیز ملی وسیاسی خدمات سے آگاہ ہوچکے تھے۔

چنانچہ جب مفتی اعظم تشریف لائے تو مصر کے اکابر علماء اور اعیان مشائخ نے جہاز کے عرشہ پر جاکر ان کا استقبال کیا۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان ایام میں شدید علیل تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کواپنا نائب اور ترجمان بنایا ، قیام قاہرہ کےدوران حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بیانات ، پروگرام کی تمام کاروائیاں ، روئیداد اور مضامین وغیرہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم اعجاز رقم سے مصر کے مجلات وجرائد میں شائع ہوئے جو حضرات حضرت مفتی ہند سے شرف تلمذ رکھتے ہیں انہیں اس امر کا بخوبی ادراک ہے ، کہ حضرت مرحوم عربی انشاء وادب کا کس قدر بلند پایہ ذوق اور اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ان کی طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی نیابت و ترجمانی کی خدمات تفویض کرنا آپ کی علمی وادبی عظمت کی ایک وقیع سند ہے۔

قیام مصر کے دوران وہاں کی مشہور علمی شخصیت علامہ طنطاوی سے بھی آپ کی ملاقات ہوئی۔ حضرت الشیخ اس ملاقات سے قبل علامہ مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن کا بنظر غائر مطالعہ فرماچکے تھے اور اس کی علمی وفکری لغزشوں اور فرو گذاشتوں سے واقف ہوچکے تھے۔ چنانچہ ملاقات پر جب علامہ مرحوم نے آپ سے اپنی مایہ ناز تفسیر کے بارے میں استفسار کیا کہ

"کیا آپ میری تفسیر کا مطالعہ فرماچکے ہیں ؟ آپ نے فرمایا "ہاں! اس قدر کہ میں اس پر بھر پور تبصرہ کرسکتا ہوں۔ علامہ مرحوم نے اپنی تفسیر میں مغربی سائنسدانوں کی جدید معلومات اکتشافات اور نظریات کے ذریعے قرآن پاک میں مذکور نجوم وکواکب

---

(۱) اس مقالہ کا ترجمہ حضرت مولانا بنوریؒ نے دارالعلوم دیوبند نمبر کے لیے ارسال فرمایا (ماہنامہ الرشید لاہور)

شمس و قمر، ارض و سماء حیوانات، نباتات اور جمادات وغیرہ کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے اسے مصدق و موثق بنانے کی کوشش کی تھی
۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر القرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا۔
علماء پر آپ کا یہ احسان عظیم ہے کہ آپ نے جدید سائنس کی بیسیوں کتب کا مطالعہ کر کے جدید سائنسی نظریات و معلومات کو یکجا کر دیا ہے، لیکن آپ براہ کرم ایک بات پر غور فرمائیں کہ علوم قرآن کا مخزن جناب رسالت مآب ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ آپ کے صحابہ کرام نے آپ سے ان علوم کو اخذ کیا اور ان سے آج تک یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا علوم جدیدہ کو قرآنی کلمات کی تشریح و تفسیر کے لئے بنیاد بنانے کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو صاحب وحی نبی ﷺ اور نہ ہی آپ کے جلیل القدر متبعین قرآن کے اصل منشاء و مفہوم کو سمجھ سکے ہیں۔ قرآن تو ایک کتاب رشد ہدایت ہے جو بندوں کو اپنے خالق کی مرضیات سے آگاہ کر کے اس کی اطاعت و انقیاد کا حکم دیتی ہے۔ یہ کوئی تاریخ، جغرافیہ، سائنس، کیمیا یا بیالوجی کی کتاب نہیں ہے۔ مزید براں آپ نے علوم القرآن کی تشریح و تفسیر کے لئے جن جدید سائنسی اکتشافات و نظریات کو بنیاد بنایا ہے۔ ان کی اپنی صداقت مشکوک ہے ماضی کے سائنسی نظریات آج کی سائنسی معلومات کی بدولت باطل اور ناقابل اعتبار ٹھہرائے جا چکے ہیں اور یقیناً مستقبل کے سائنسدان ہماری موجودہ سائنسی معلومات کو نئے انکشافات کے ذریعے باطل قرار دیں گے۔ اس طرح قرآنی معلومات کا ابطال لازم قرار پائیگا۔ کیا مستقبل کی سائنسی معلومات و مشاہدات سے واقف ہماری آئندہ نسل آپ کی ان تشریحات و تفسیرات کو جاہلانہ مساعی سے تعبیر نہ کرے گی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ علامہ مرحوم کی تفسیر پر پورے شرح صدر کے ساتھ عالمانہ اور ناقدانہ انداز میں تبصرہ فرما رہے تھے، اور علامہ مرحوم اس نو عمر عجمی کے علمی کمالات اور رشحات فکر کو کمال تحیر و استعجاب سے سن رہے تھے۔ جب آپ نے اپنا سلسلہ کلام ختم کیا تو حضرت علامہ مرحوم نے اپنی تمام تر علمی وجاہت و شہرت کے باوجود اپنی سلامتی طبع کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کو درست تسلیم کیا اور آپ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ۔

لست بعالم ہندی ان انت الاملک نزل من السماء لاصلاحی .

آپ ایک ہندی عالم نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہیں جو میری اصلاح کے لئے آسمان سے نازل ہوئے۔ الغرض حضرت الشیخ نے اپنے زمانہ قیام مصر میں نہ صرف قدیم و جدید معلومات و مسموعات کے ذریعے اپنے دامن علم کو مالا مال کیا، بلکہ بلاد عربیہ کے علمی حلقوں تک اپنے علم کمالات کی شہرت پہنچادی۔

نصب الرایہ اور فیض الباری کی طباعت کے بعد آپ نے حرمین شریفین میں بھی حاضری کی سعادت حاصل کی۔ اسی دوران سعودی عرب کے حکمران سلطان عبدالعزیز مرحوم سے بھی مکہ معظمہ میں آپ کی ایک ملاقات ہوئی۔ سلطان مرحوم نے فیض الباری کے دو صد نسخے آپ سے خرید کر مملکت سعودیہ کے مختلف کتب خانوں میں تقسیم کئے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اپنے یادگار علمی سفر سے واپس تشریف لائے تو آپ کے ساتھ فیض الباری اور نصب الرایہ کی حسین طباعت و تجلید اور اعلیٰ ترین کاغذ سے آراستہ ایک عظیم علمی ذخیرہ بھی موجود تھا۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کی مسند صدارت و ریاست آپ کا انتظار کر رہی تھی۔

قاہرہ کے اسفار

قیام پاکستان کے بعد جب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۵۳ء میں مدرسہ عربیہ کا اجراء فرمایا تو آپ مدرسے کی تعمیر وترقی، تدریس، اہتمام اور ملک کے علمی دینی، اور سیاسی معاملات میں اس حد تک مصروف ہوگئے کہ ماسوائے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ ﷺ غیر ملکی اسفار کے لے وقت نہ نکال سکے ۱۹۶۴ء میں جب کہ آپ کے اس علمی ادارے کے قیام کو دس گیارہ سال کا عرصہ ہوچکا تھا اور وہ اپنے ظاہری وباطنی محاسن میں ملک کے اہم علمی مراکز میں ایک ممتاز ومنفرد حیثیت اختیار کرچکا تھا تو آپ کو کچھ فرصت اور اطمینان نصیب ہوا۔

چنانچہ آپ نے اس سال المجمع البحوث الاسلامیہ ازہر کی دعوت پر اس کے منعقدہ موتمر میں شرکت کی غرض سے قاہرہ کا سفر اختیار فرمایا۔ مصر میں ان دنوں شاہ فاروق کی حکومت کا خاتمہ ہوچکا تھا اور عنان حکومت جمال عبدالناصر مرحوم کے ہاتھ میں تھی۔ اس موتمر میں پاکستان کے دونوں حصوں سے مندوبین نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں شرکت کی تھی۔ اس موتمر کا پہلا اجلاس ۱۹۶۴ء بمطابق ۱۳۸۳ھ منعقد ہوا آپ کی علمی وجاہت کے پیش نظر آپ کو مجمع البحوث الاسلامیہ کا مستقل ممبر منتخب کرلیا گیا۔ آپ نے مجمع کے مستقل رکن کی حیثیت سے اس کے منعقدہ سالانہ موتمرات میں مسلسل چھ دفعہ شرکت فرمائی۔

مختلف اوقات میں منعقدہ ان چھ موتمرات میں حضرت الشیخؒ نے فصیح وسلیس عربی زبان میں اپنے بلند پایہ علمی مقالات کے ذریعے شرکاء موتمرات کو اپنا گرویدہ اور مداح بنالیا۔ دیار مصر کے علماء وفضلاء ازہر کے اعنان وشیوخ اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے فاضل ارکان ہر موتمر پر آپ کی تشریف آوری کا شدت سے انتظار کرتے اور آپ سے اپنے دوستانہ ونیازمندانہ تعلقات کا اظہار فرماتے۔ مجمع کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبدالرحمن بیطار تو آپ کے احباء خاص میں سے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ضعف وعلالت اور پاکستان میں اپنے مشاغل کی کثرت کا عذر کرکے ان سے فرمایا کہ آئندہ مجھے ان موتمرات میں شرکت کی دعوت نہ دی جائے۔ تو ممنون ہونگا ڈاکٹر صاحب موصوف نے فوراً کہا کہ مثلکم لایستغنیٰ عنہ

آپ جیسی علمی شخصیات سے محروم نہیں رہا جاسکتا۔

جامعہ الازہر کے شیخ الازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود مشہور محقق شیخ ابوزہرہ مرحوم اور ڈاکٹر محب اللہ مرحوم سے آپ کے گہرے قلبی مراسم قائم تھے۔ یہ حضرات حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات اور آپ کے اعلیٰ مکارم اخلاق کے گرویدہ تھے۔ ان میں ملاقاتوں کا سلسلہ اکثر جاری رہتا۔

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود جب پاکستان کے دورے پر تشریف لاتے تو انہوں نے مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے طلبہ اور مدرسین سے خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے اعلیٰ علمی ذوق ان کے تفسیری اور محدثانہ کمالات ان کے شعری وادبی محاسن اور دعوت الی اللہ کی شدید لگن اور تڑپ کے جواہر کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ اور آپ سے گہرے قلبی روابط کو اپنے لئے باعث

فخر ومباہات اور ابتہاج وسرور قرار دیا ۔ شیخ الازہر کے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے انہی مخلصانہ تعلقات کا نتیجہ تھا ۔ کہ ازہر کی جانب سے ہر سال مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے ایک مصری عالم دین اور ایک قاری ومجود کا ازہر کے اپنے اخراجات پر تقرر کیا جاتا ۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ دیار مصر اور جامعہ ازہر کی علمی خدمات سے بہت متاثر ہوئے تھے ان خدمات کا آپ نے بھرپور طریقہ سے بینات میں اظہار بھی فرمایا ۔ مصر کے جمال عبدالناصر ذاتی اور شخصی خوبیوں میں ایک مثالی حکمران تھے لیکن ان کے سیاسی نظریات، ان کی عرب قوم پرستی اور اشتراکیت کی طرف ان کے میلان پر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے زبردست تنقید فرمائی ۔ جمال عبدالناصر نے پروپیگنڈے کے جدید اور موثر ذرائع سے عرب قومیت کا زہر پورے عالم عرب میں پھیلادیا تھا ۔ عرب دنیا اشتراکیت کی جدید جہالت کی شکار ہوتی نظر آتی تھی مرحوم ناصر کی عرب دنیا پر اس ساحرانہ گرفت نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے دینی جذبے کو شعلہ بدامن بنادیا ۔

چنانچہ آپ نے واپس تشریف لاکر اپنے رسالہ بینات کے بصائر وعبر کے ادارتی کالموں کے ذریعہ جمال عبدالناصر کے افکار ونظریات اور اعمال وکردار کا زبردست مواخذہ ومحاسبہ کیا ۔ عربوں کی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے ان کے اجتماعی امراض کا اس انداز میں ذکر فرمایا کہ ،

ان عرب ممالک کو دیکھ کر میرے اس سابقہ یقین میں مزید اضافہ اور استحکام پیدا ہوا ہے کہ عرب قوم دو قسم کے امراض میں مبتلاء ہے ۔ جو تمام بیماریوں کے لئے ام الامراض کا درجہ رکھتے ہیں ۔

(۱) عرب قوم پرستی ۔

(۲) مغربی تہذیب وتمدن کا تسلط ۔ یہ ضرور ہے کہ مصر کی جدید حکومت اس کی نمایاں طور پر علمبردار ہے ۔ لیکن یہ مرض اب سارے عرب کا روگ ہے ۔ جو اس کے جسم میں خون کی طرح سرایت کرگیا ہے ۔ فلسفہ قومیت کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے اسلام کے نظریہ قومیت کو یوں بیان فرمایا ہے کہ قومیت عربی ہو یا عجمی ، مشرقی ہو یا مغربی دین اسلام کی نظر میں بہر حال وہ ایک لعنت ہے وہ ایک بت ہے جس کی پرستش کو اسلام شعار جاہلیت قرار دیتا ہے اس کی بنیاد پر ابھرنے والے تمام فلسفوں اور نظریوں کو کچل ڈالنے کی دعوت دیتا ہے ۔۔ فیا للاسف

قوم عرب جو اسلام کی دعوت الی اللہ کی اولین حامل تھی ۔ اس لعنت کا بری طرح شکار ہے ۔ قومیت کے طاغوت نے عرب ممالک میں اسلامی اخوت کو پارہ پارہ کرڈالا ہے ۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان امراض کے پیدا ہونے ، ان کے مہلک اثرات اور ان کے محرکات وعوامل کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے علاج کی نشان دہی کراتے ہوئے تحریر فرمایا ہے ۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ عالم اسلام کلمہ ، ایمان ، خدا ورسول ﷺ اور اسلامی اخوت کے نام پر متحد ہو کر ایک بنیان مرصوص بن جائے ؟

اور دشمنانِ اسلام نے غلط فہمیاں پھیلا کر اختلاف وتفریق کی جس غار میں ہمیں دھکیل دیا ہے ، اس سے باہر آنیکی تدبیر کریں

مزید فرمایا-

ان حالات میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ دعاۃ الی اللہ " کی جماعتیں بنا کر دعوت اور دین کو مستقل مقصد بنا کر ہر ملک میں مقیم ہوں، پوری قوت اور توجہ سے اصلاح کا کام شروع کیا جائے - ابھی تک ان کے دلوں میں نور ایمان کی دبی چنگاریاں موجود ہیں -

لیبیا اور دیگر بلاد عربیہ کے اسفار

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لیبیا کا پہلا سفر صفر ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ میں اختیار فرمایا اس وقت لیبیا پر شاہ ادریس کی بادشاہت کا دور دورہ تھا-

اس سفر کے دوران آپ نے لیبیا کے اہم شہروں طرابلس "بن غازی" درنہ اور بیضاء وغیرہ کے دورے فرمائے - وہاں کی جامعات اور علمی اداروں کے احوال و کوائف کا معائنہ کیا اہل علم سے ملاقاتیں اور دینی و عملی مجلسیں رہیں - بعض اہم دینی موضوعات پر آپ نے انہیں اپنے اعلی مشوروں سے نوازا - بیضاء میں قائم اسلامی یونیورسٹی اور جامعہ السید محمد بن السنوسی الاسلامیہ کے طلبہ، اساتذہ، شیوخ کو اپنے افکار عالیہ سے بہرہ ور کیا- الشیخ الجامعہ الشیخ عبدالمجید بن عطیہ الدیبانی سے خصوصی علمی مذاکرات کئے حضرت الشیخ الشیخ الدیبانی کے علمی کمالات اور شخصی محاسن و مکارم سے بہت زیادہ متاثر ہوئے آپ نے ان کے کمالات کا دل کھول کر تذکرہ فرمایا ہے -

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا لیبیا کا دوسرا سفر ۱۹۷۰ء کو عمل میں آیا ستمبر ۱۹۶۹ء میں لیبیا کی فوج کے جنرل قذافی نے شاہ ادریس کا تختہ الٹ کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے اسلامی ممالک کے ساتھ مستحکم تعلقات کی استواری اور ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے بلند و بانگ دعوے بڑے تواتر سے کرنے شروع کردیئے -

عالم اسلام کے دینی حلقوں میں ان دعادی کی بازگشت بڑے احترام اور نیک جذبات کے ساتھ سنی گئ - چنانچہ جنرل قذافی نے اپنے ان عزائم ودعادی کے پیش نظر لیبیا کے دارالحکومت طرابلس میں دعوت اسلامیہ، کے نام پر ایک پانچ روزہ کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کیا - دنیا بھر سے اسلامی علوم وفنون کے مشہور سکالروں اور علماء کو شرکت کی عوت دی گئی پاکستان سے بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ایک وفد طرابلس پہنچا یہ کانفرنس ۱۳ شوال ۱۳۹۰ھ تک جاری رہی - اس کانفرنس کے بنیادی مقاصد میں دعوت اسلام کو عام کرنا، الحاد کے انسداد کے لئے موثر ذرائع ووسائل اختیار کرنا، ان ممالک کا تعین جہاں دعوت اسلام کا کام شروع کیا جائے، دعاۃ اور مبلغین کی تعلیم و تربیت اور ان کے لئے شرعی ضابطہ اخلاق کا تعین وغیرہ جنرل قذافی کانفرنس کے مختلف اجلاسوں میں بنفس نفیس شریک ہوتے اور بعض اہم نکات اپنی نوٹ بک میں درج کرتے جاتے -

اس کانفرنس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مواقع پر اہل مجلس کو اسلام کی حقیقی روح سے روشناس کرایا دوسرے مندوبین کی طرف سے بے راہ رو اجتہاد کے مسائل چھیڑنے پر اہل مجلس کو متنبہ فرمایا - اجتہاد کی ضرورت واہمیت کی وضاحت کرتے ہوئے آپ نے ان حدود و شرائط اور اصول وضوابط کا ذکر فرمایا جن کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہی اجتہادی کوششیں کی جا سکتی ہیں اس کانفرنس میں آپ نے داعی اور مبلغ کے اوصاف "سورۃ مدثر" کی روشنی میں بڑی وضاحت سے بیان فرمائے -

آپ نے فرمایا
قرآن پاک داعی کے لئے ذیل کے پانچ اوصاف کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔
(۱) (وربک فکبر) توحید اس کے دل میں ہو اور اللہ کی ذات اور اس کی عظمت اس کے ہاں ہر شے پر غالب ہو۔
(۲) (وثیابک فطہر) یہاں ثیاب سے مراد اخلاق فاضلہ اور مکارم حسنہ ہیں۔
(۳) والرجز فاہجر) ہر قسم کے دینی علمی عملی اور اخلاقی شبہات سے مکمل طور پر کنارہ کشی
(۴) ولاتمنن) دعوت الی اللہ خالص لوجہ اللہ ہو اور مخاطب پر کسی قسم کا احسان نہ جتلائے
(۵) ولربک فاصبر) ایک داعی کے لئے سب سے اہم اور بنیادی وصف اس میں صبر واستقامت کا بدرجہ اتم موجود ہونا ہے
اگر ایک داعی میں متذکرہ بالا اوصاف اپنی حقیقی روح میں موجود ہوں تو مخاطب اس کے بیان سے ضرور متاثر ہو کر رہے گا۔

بہرحال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کانفرنس کے شرکاء کو ہر اہم مسئلے پر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور ان کی صحیح صحیح راہنمائی فرمائی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اردن، فلسطین، کویت، لبنان، شام، عراق اور مراکش کے بھی متعدد مرتبہ اسفار کئے ہیں۔ ان اسفار میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان ممالک کے مختلف اداروں میں مختلف علمی موضوعات پر لیکچر دیئے مسلمانوں کو ان کی موجودہ پستی کے اسباب اور ان کے اجتماعی امراض نیز ان کا تدارک کرنے کے طریقوں پر روشنی ڈالی۔

ان اداروں کے قیام وتاسیس ان کی علمی ودینی خدمات پر بہجت سرور کا اظہار فرمایا عمان میں رابطہ العلوم اسلامیہ اور دار القرآن کی علمی سرگرمیوں کو سراہا کویت میں شیخ مصطفےٰ الزرقاء کی راہنمائی میں حکومت کی سرپرستی میں مرتب ہونے والے "موسوعہ الفقہ الاسلامی" کی ترتیب وتدوین پر بیحد خوشی کا اظہار فرمایا۔ لبنان اور بیروت کے دوروں میں آپ نے وہاں کی متعدد علمی شخصیتوں سے ملاقاتیں کیں۔ مجلس علمی کی طرف سے بیروت میں مصنف عبدالرزاق کی طباعت کا کام ہورہا تھا۔ طباعت میں پیش رفت کے احوال معلوم کرنے کے لئے آپ متعلقہ مطبع اور اس کے مہتمم شیخ محمد زبیر شادیش کے ہاں بھی تشریف لے گئے۔

بیروت کی ایک علمی شخصیت ڈاکٹر عمران فروخ کے حضرت الشیخ سے نیازمندانہ تعلقات اور عقیدت و محبت کے جذباتی روابط قائم تھے۔ ۱۹۶۷ء میں جب راولپنڈی میں قرآن کریم کے چودہ سوسالہ "جشن نزول قرآن کریم" کے سلسلہ میں ایک کانفرنس میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی غیرت ایمانی کے ایک واقعہ کا اظہار دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

اس کانفرنس کی صدارت کے فرائض مفتی امین الحسینی مرحوم سرانجام دے رہے تھے، ایک سابق مرکزی وزیر نے اردو میں اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے اسلامی تعلیمات کے منافی بعض باتیں کہنا شروع کردیں۔ حضرت الشیخ کی غیرت ایمانی اس خلاف اسلام گفتگو کو برداشت نہ کرسکی آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور صدر جلسہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

ایها السیدالرئیس علیکم ان تلجموا هذا الخطیب ماذا یقول الجموه فقد خرج عن موضوعه "

یعنی جناب صدر محترم اس مقرر کو لگام دیجئے یہ کیا کہ رہا ہے اسے پابند لگام کیجئے کہ یہ اپنے اصل موضوع سے نکلا جارہا ہے۔

ڈاکٹر عمر فروخ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اس جراتمندانہ اقدام سے بہت متاثر ہوئے انہوں نے واپس بیروت جا کر اپنے ایک خط میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں جس نے مجھے آپ جیسے حضرات سے ملاقات بخشی راولپنڈی کانفرنس میں آپ کے جراتمندانہ موقف کو کوئی بھی فراموش نہیں کرسکتا نیز آپ کو عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد نئے ہجری سال ۱۳۸۸ ھ کے شروع ہونے پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہر جگہ پر رہنے والے مسلمانوں کی اصلاح فرمائے۔

عراق ہمارے اسلاف کے جلیل القدر علمی کارناموں اور بے مثال خدمات کا امین ہے۔ وہاں کے کتب خانوں اور لائبریریوں میں اسلامی علوم وفنون کے بیش بہا خزائن موجود ہیں، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا غایت درجہ اشتیاق حصول معلومات متعدد مرتبہ آپ کو عراق کے ان علمی ذخیروں تک لئے پھر عراق کے سابق سفیر برائے پاکستان اپنے علمی ذوق کی وجہ سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے احباء خاص میں سے تھے۔ ایک دفعہ آپ شمالی افریقہ کے طویل دورے کے بعد ائرپورٹ پر اترے تو بغداد کا ویزا نہ ہونے کی وجہ سے مطار کے آفیسر نے مطار کی حدود سے باہر نکلنے کی اجازت نہ دی لیکن آپ نے متعلقہ آفیسر سے ملاقات کرکے اس پروقار علمی انداز سے اس سے گفتگو فرمائی۔ کہ اس سے نہ صرف آپ کو اضطراری ویزا دلوادیا۔ بلکہ آپ کے نیاز مندوں میں شامل ہو کر آپ سے شرف مہمانی بخشنے کی درخواست کی۔

پاکستان میں مراکش کے سفیر جناب محمد سعدانی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے عظیم الشان علمی ادارے کے بڑے مداح تھے۔ مراکش کے سفیر مراکش میں چھپنے والی ادبی وعلمی کتابیں جیب خاص سے خرید کر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو ہدیہ بھیجا کرتے تھے، جواباً حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تصنیفات سفیر موصوف کی وساطت سے مراکش کے علمی اداروں کو ارسال فرمائیں۔

شاہ مراکش کی طرف سے آپ کو اپنے ملک کا دورہ کرنے اور مختلف اداروں میں مختلف موضوعات پر علمی مقالات پیش فرمانے کی دعوت بھی دی گئی لیکن اس وقت کی حکومت نے آپ کو مراکش جانے سے منع کر دیا۔

مصر کے بعد بلاد عربیہ میں شام دوسرا ملک ہے جہاں اسلامی علوم وفنون کی اشاعت وتدوین کا کام نہایت اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے آپ دمشق کے مشہور علمی و ادبی ادارے "مجمع اللغۃ العربیہ" کے پاکستان کی طرف سے مستقل رکن تھے اس ادارے کی رکنیت ایک بہت بڑا عالمی اعزاز تھا جو عالم اسلام کے ممتاز علماء کو حاصل تھا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا اس ادارے کے سہ ماہی مجلہ "مجمع اللغۃ العربیۃ" میں امام ترمذی اور ان کی کتاب جامع ترمذی پر ایک نہایت جامع اور فاضلانہ مقالہ شائع ہوا علمی حلقوں نے آپ کے اس مقالے کے ٹھوس علمی مواد کو نہایت عقیدت سے سراہا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دمشق یونیورسٹی میں متعدد مرتبہ مختلف علمی موضوعات پر نہایت فاضلانہ لیکچر دیئے۔

الغرض شام کے علمی مراکز اور حلقے آپ کے علم وفضل کے بہت معترف تھے، اور اکثر وبیشتر آپ کے رشحات فکر سے مستفید ہونے کا موقع پیدا کرتے رہتے تھے۔

بیس مردان حق

مشرقی افریقہ کا سفر

مسلمانان پاکستان کی طویل اور صبر آزما جانی اور مالی قربانیوں اور مسلسل مجاہدانہ جدوجہد کی بدولت پاکستان میں قادیانیت کے شجر ملعونہ کی جڑیں بیخ دین سے اکھڑنا شروع ہوئیں تو قادیانیوں نے مشرقی افریقہ کے دور دراز اور پسماندہ ممالک میں اپنی دجل وفریب کی سرگرمیاں تیز تر کردیں۔ اگرچہ قادیانی مبلغین نے ایک عرصہ سے قادیانیت کو اسلام ہی کا ایک فرقہ بتا کر ان ممالک میں اپنے تبلیغی اور تدریسی مرکز قائم کر رکھے تھے۔ لیکن پاکستان کی قومی اسمبلی کی طرف سے انہیں اقلیت قرار دیئے جانے کے فیصلے کے بعد ان ممالک میں ان کی سرگرمیاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ اس فرقہ باطلہ سے غایت درجہ کے جذبات نفرت اور اس کے استیصال کے لئے بے پناہ کرب اور تڑپ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ حضرت سید انور شاہ کاشمیری سے روحانی وراثت ملی تھی۔ چنانچہ آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے فیصلہ کے سلسلہ میں قومی اسمبلی میں پیش کی جانے والی اردو اور انگریزی کی تمام دستاویزات کو جمع فرمایا اور اسے "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کے نام سے عربی میں ترجمہ کروا کر زیور طباعت سے آراستہ کیا اس طرح آپ نے ایک مستند علمی اور قانونی دستاویز لیکر مشرقی افریقہ کے ممالک کے تبلیغی دورہ فرمانے کا فیصلہ کرلیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس دورے کا آغاز شوال ۱۳۹۵ھ بمطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء کو حرمین شریفین کی زیارت سے کیا، محترم ڈاکٹر عبد الرزاق سکندر اور مشہور مصنف اور وفاقی شرعی عدالت کے جج مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس اہم تبلیغی سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ جدہ سے یہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں پی۔آئی۔اے کے ذریعے ۱۴ اکتوبر کو صبح ساڑھے چھ بجے کینیا پہنچا نیروبی ایرپورٹ پر آپ کے ایک شاگرد اور مبعوث دار الافتاء ریاض مولانا مطیع الرسول صاحب اور دیگر اعیان شہر نے آپ کا استقبال کیا۔ نیروبی کینیا کا دار الحکومت اور ایک بین الاقوامی نوعیت کا شہر ہے، اس شہر کی وسعت اور اہمیت کے پیش نظر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۴ اکتوبر سے ۱۶ اکتوبر تک وہاں قیام فرمایا۔

ان تین دنوں کے قیام کے دوران آپ نے وہاں دینی، علمی اور رفاہی خدمات سرانجام دینے والی مختلف تنظیموں، اداروں، مدارس، اور مساجد کے اعیان واکابر سے ملاقاتیں کیں۔ ان اداروں میں تدریسی خدمات سرانجام دینے والے پاکستانی اور افریقی اساتذہ کی حوصلہ افزائی کی۔ مختلف مقامات پر مختلف موضوعات کے تحت خطابات فرمائے۔ جن میں خاص طور پر عقیدہ ختم نبوت کی تشریح وتوجیہ، اس کی حفاظت، قادیانیت کے عقائد ونظریات اور اس کے تاریخی پس منظر کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا۔

باہمی اتحاد یگانگت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، عجائب قدرت اور صفات رسول وغیرہا ایسے مضامین بڑی جرات سے بیان فرمائے مزید برآں آپ نے وہاں کے مقامی علماء کو ترغیب دی کہ وہ قادیانی فتنہ کے دجل وفریب سے عامۃ المسلمین کو بچانے کے لئے مجلس ختم نبوت کی تنظیم وتشکیل کرکے اس کے ذریعے قادیانیوں کا بھرپور تعاقب کریں۔

آپ نے نے کافی تعداد میں "موقف الامۃ الاسلامیۃ من القادیانیۃ" کے نسخے علمی حلقوں میں تقسیم کرنے کے لئے ان علماء کو دیئے۔

۱۶ اکتوبر کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کینیا کے دوسرے اہم شہر ممباسہ کے لئے روانگی فرمائی۔

مولانا محمد تقی عثمانی اپنے والد بزرگوار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کی شدید علالت کی خبر پا کر واپس پاکستان چلے گئے۔

اس طرح ممباسہ اور اس کے بعد کے اسفار میں مولانا عبد الرزاق اسکندر صاحب ہی کی رفاقت آپ کو میسر رہی۔ اس شہر میں مسلمانوں کی متعدد دینی تنظیمیں علمی خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ کثرت سے مساجد بھی موجود ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بھی مسلمانوں کو ان کی دینی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا۔ متعدد مساجد میں اپنے دروس کے ذریعے انہیں باہمی اتحاد اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت نیز "تمسک بالدین" کی تلقین فرمائی فرقہ قادیانیہ کے عقائد ونظریات اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے بغض وعناد اور بعد واختلاف کا تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا۔ وہاں کے مشائخ واعیان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں ختم نبوت کی حفاظت وصیانت اور مسلمانوں کو قادیانیوں کے تکفیری شرور سے محفوظ رکھنے کی ترغیب دی۔

ممباسا میں کینیا کے قاضی القضاۃ شیخ عبد اللہ صالح، ممباسہ کے تاجر شیخ الحسن العمری اور شہر کے مشہور خطیب سید احمد سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں۔

۱۸ اکتوبر کو آپ نے تنزانیہ کے دارالحکومت دار السلام کا قصد فرمایا۔ جہاں مسلمانوں کی صرف ایک ہی تنظیم کام کر رہی ہے۔ جس کے عہدیداروں کا انتخاب براہ راست حکومت کرتی ہے، کیونکہ حکومت کی طرف سے اپنے ملک میں اس طرح کی تنظیمیں قائم کرنے کی اجازت نہیں ہے اس شہر میں حکومت مصر کی طرف سے المرکز الاسلامی کے نام سے ایک ادارہ علمی ودینی اور رفاہی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔

آپ نے اس ادارے کے کارکنوں اساتذہ اور طلبہ سے خصوصی ملاقات فرمائی۔ آپ نے انہیں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کے لئے آمادہ کیا اور انہیں کتاب مذکورہ کے چند نسخے بھی عنایت فرمائے۔

۲۰ اکتوبر کو آپ نے دار السلام کو خیر باد کہا اور زیمبیا کے "درالحکومت "لوساکا کا عزم فرمایا لوساکا میں متعدد مساجد موجود ہیں ہر مسجد کے ساتھ ایک مکتب بھی قائم ہے جہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کو قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے اور ابتدائی دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ لوساکا کی مساجد کے حسن انتظام سے بہت مسرور ہوئے کیوں کہ ان مساجد کے ہالوں میں نہایت قیمتی اور خوبصورت قالین بچھائے گئے ہیں۔ ٹھنڈے اور گرم پانی کا انتظام ہے حتی کہ وضو کے بعد ہاتھ اور منہ پونچھنے کے لئے تولیئے تک آویزاں نظر آئے۔

اس شہر میں مسلمانوں کی بیشتر تعداد کا تعلق ہندوستان کے علاقہ سورت اور گجرات سے ہے، جن کے آباء واجداد بہت عرصہ قبل حصول معاش اور تجارت کی غرض سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ان حضرات کی دینداری دینی اداروں کے ساتھ تعلق وشیفتگی اور مساجد ومدارس کے حسن انتظام سے ازحد خوش ہوئے۔ چنانچہ آپ نے یہاں کے مسلمانوں کی دینی محبت سے متاثر ہو کر ان کے کام کو سراہا، ان کی حوصلہ افزائی

فرمائی اور انہیں اسلام کے اہم اور بنیادی عقائد ونظریات اور تعلیمات سے آگاہ فرمایا - وہاں کے علماء سے خصوصی ملاقاتیں کیں مسلمانوں کی صحیح راہنمائی اور قادیانیوں کی مذموم ومسموم کارگزاریوں سے محفوظ ومامون رکھنے پر آمادہ کیا - چنانچہ آپ کی ترغیب پر باقاعدہ " مجلس ختم نبوت " کی تشکیل کی گئی امارت کے فرائض مولانا عبد اللہ منصور کو سونپے گئے -

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لوساکا سے ۳۸۰ میل کے فاصلے پر واقع شہر چپاٹا کا بھی دورہ فرمایا یہ شہر اپنی خوبصورت مساجد اور مدارس کی وجہ سے خالص مسلمانوں کا شہر لگتا ہے - جہاں کی تجارت پر مسلمانوں کا قبضہ ہے - اس شہر کے مسلمان دینی تعلیمات سے بہرہ ور اور اسلامی عبادات وشعائر کے پابند نظر آئے - ان کے چہرے تقویٰ وصلاح کے نور سے جگمگا رہے تھے - ہر عمر کے افراد کے چہروں پر داڑھی کی زینت قائم تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ یہاں کے مسلمانوں کی دینداری سے بہت خوش ہوئے - ان کی حوصلہ افزائی کی انہیں " تمسک بالدین " پر رہنے اور مقامی باشندوں سے اسلام کے شایان شان طرز عمل اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی - آپ کے استفسار پر ان مسلمانوں نے بتایا کہ دینداری کے یہ اثرات تبلیغی جماعت کی غیر معمولی محنت اور جانفشانی کے ثمرات ہیں - زمبیا کے مختلف شہروں کا کامیاب دورہ فرمانے کے بعد آپ واپس دارالحکومت لوساکا تشریف لائے اور وہاں چھ دن قیام فرمایا اس دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی کمالات اور روحانی فیوضات نے وہاں کے مسلمانوں کے دل موہ لئے - نوجوان طبقہ خاص طور پر آپ کا شیدائی وفدائی بن گیا - نماز فجر کے بعد آپ کی مجلس درس میں شرکت کی غرض سے یہ حضرات آپ کے ساتھ تہجد کی نماز میں آ شریک ہوتے۔

الغرض ان کا شوق وذوق اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی عقیدت ارادت دیدنی تھی - جب آپ وہاں سے رخصت ہوئے تو ایرپورٹ پر آہ وبکاء اور الحاج وزاری کا منظر بڑا رقت آمیز تھا - سیکڑوں آنکھیں آپ سے مفارقت کے غم میں غمناک تھیں - حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت محبت وشفقت کا اظہار فرماتے ہوئے ان سے اجازت لی اپنے تلمیذ خاص کو ہمراہ لے کر آپ واپس نیروبی تشریف لائے - نیروبی سے آپ کا ارادہ یوگنڈا تشریف لے جانے کا تھا، لیکن یوگنڈا کے ویزہ کا حصول ایک دقت طلب اور صبر آزما مسئلہ تھا -

چنانچہ آپ نے یوگنڈا کے شہر جنجا میں مقیم مولانا عبد الخالق طارق کو فون پر ویزا حاصل کرنے کی ہدایت فرمائی - مولانا عبد الخالق طارق پنجاب کی مشہور علمی شخصیت گجرات کے مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم کے پوتے ہیں اور ایک عرصہ سے سعودی حکومت کے قائم کردہ " المعہد الاسلامی " میں درس وتدریس اور تبلیغ کی خدمات سر انجام دے رہے ہیں -

چنانچہ مولانا موصوف نے یوگنڈا کے مفتی شیخ محمد یوسف سلمان کی وساطت سے ان دونوں حضرات کے لیے ویزا حاصل کیا -

ویزا کے حصول کے بعد آپ نے ۶ نومبر کو صبح آٹھ بجے نیروبی سے یوگنڈا کے ایرپورٹ انٹے بے کے لئے پرواز فرمائی - ایک گھنٹہ کی مسافت کے بعد آپ انٹے بے پہنچے - مولانا عبد الخالق طارق اور بعض دوسرے سرکردہ حضرات استقبال کے لئے ایرپورٹ پر موجود تھے - ایرپورٹ سے فارغ ہو کر آپ پچیس میل دور واقع کمپالا تشریف لے گئے، جہاں آپ نے شیخ یوسف سلیمان کے شدید اصرار پر ان کی مہمانی قبول کرتے ہوئے کمپالا انٹر نیشنل ہوٹل میں قیام فرمایا شیخ یوسف سلمان یوگنڈا کے مفتی اور وہاں کی "

مسلم سپریم کونسل کے جنرل سیکرٹری ہیں۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اور مسلمانان پاکستان کی طرف سے انہیں اور حکومت یوگنڈا کو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے پر ہدیہ تبریک پیش کیا۔

اس وقت کے صدر جمہوریہ یوگنڈا عیدی امین صاحب کا قول تھا کہ "

"ہمارا دین وہ ہے جس کا مرکز مکہ مدینہ ہے ہمیں وہ دین نہیں چاہیے جسے لندن اور اسرائیل سے ہدایات ملتی ہوں۔

محترم عیدی امین ایک دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے انہوں نے زمانہ صدارت کے دوران ملک میں اسلامی اقدار کو فروغ دینے اور الحاد وزندقہ اور تجدد و تغرب کے انسداد کے لئے متعدد اقدامات کئے۔

ملکی معاشیات پر انگریزوں یورپین اقوام اور ہندو ساہوکاروں کا قبضہ تھا۔ یہاں کی غالب آبادی غربت وافلاس کی چکی میں پسی ہوئی تھی۔ صدر عیدی امین نے ان تمام غیر ملکیوں کو بیک جنبش قلم یوگنڈا بدر کردیا اور ان کی املاک کو قومی ملکیت میں لے لیا۔ ان اقدام سے دنیا بھر کے تمام غیر مسلم ادارے ان کی جان کے شدید دشمن بن گئے اور بالآخر ملک چھوڑنا پڑا۔

کمپالا میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد دینی مجلسوں اور اجتماعات سے خطاب فرمایا وہاں کے مسلمانوں کے دینی جذبہ کو ابھارا اور انہیں اسلامی اقدار کے فروغ اور اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں مکمل طور پر ڈھالنے کی نصیحت فرمائی۔

کمپالا میں متعین سعودی حکومت کے سفیر جناب عبد اللہ الحبالی پاکستان میں بھی سفارتی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ وہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام سے پہلے ہی سے آگاہ تھے۔ انہوں نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اعزاز میں ایک پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا جس میں مسلم سپریم کونسل کے عہدیداروں کے علاوہ شہر کی معزز شخصیات بھی مدعو تھیں۔

افریقہ کی قدیم ترین یونیورسٹی جو "مکریرے یونیورسٹی" کے نام سے موسوم ہے کمپالا میں واقع ہے۔ اس یونیورسٹی میں پاکستان کے بہت سے پروفیسر اور لیکچرار حضرات مختلف تعلیمی شعبوں میں تدریسی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان حضرات کو جب حضرت شیخ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو وہ آپ سے ملاقات کے لئے آپ کی قیام گاہ جاتے رہے حضرت شیخ دیار غیر میں ان کے دینی مزاج سے بہت خوش ہوئے اور ان کے لیے دعوات صالحہ اور نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا۔

کمپالا کے مشرق میں پچاس میل کی مسافت پر واقع شہر جنجا میں بھی آپ تشریف لے گئے۔ جہاں سعودی حکومت کی طرف سے قائم کردہ اسلامی ادارے " المعہد الاسلامی "میں پاکستان کے مولانا عبد الخالق طارق، مولانا خالد نعمانی اور مولانا عبد السلام صاحبان تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے نیازمندانہ و تلمیذانہ مراسم قائم ہیں، انہوں نے جنجا میں مقیم بعض دوسرے پاکستانیوں سے ملکر متعدد اجتماعات منعقد کروائے جن میں آپ کے علمی ودینی فیوضات سے عامۃ المسلمین کو مستفید ومستفیض کروایا۔

جنجا شہر دنیا کی حسین اور مشہور جھیل وکٹوریہ جھیل کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ جھیل دریائے نیل کا منبع ہے۔ اس جھیل میں ایک بہت بڑا ڈیم بنا کر بجلی پیدا کی گئی ہے جو پورے ملک کو سپلائی کی جاتی ہے۔

قسام ازل نے اس علاقے کو اپنی بے پناہ فیاضی سے نواز رکھا ہے۔کمپالا سے جنجا تک کا پچاس میل کا علاقہ اپنی غیر معمولی زرخیزی سے معمور ہے۔راستے کے دونوں اطراف سرسبز درخت چائے اور گنے کے شاداب کھیت اور بارشوں کی وجہ سے فصلوں اور پتوں کی سبزی سیاہی مائل ہورہی تھی۔حضرت الشیخ کی طبع نفیس ان حسین مناظر سے بہت محظوظ ہوتی آپ کے دل ودماغ کا تقدس فوراً خدائے قدس کے عجائب وغرائب کی طرف مبذول ہوجاتا،آپ کی زبان حمد وثناء کے ترانے الاپنے لگتی

مقام عبرت: جنجا شہر سے چند میل کے فاصلے پر بلند وبالا ٹیلوں پر ایک خوبصورت سیر گاہ بنائی ہوئی ہے اس سے کچھ دور تھوڑے فاصلہ پر تین شاہانہ قسم کے محل تعمیر کے گئے،ہیں اس محلات کی شان وشوکت مغل شہنشاہوں کے محلات سے کسی طرح کم نہ تھی۔جدید راحت وسکون اور آسائش وتعیش کی ہر شیء اان میں موجود تھی۔محلات کے چاروں اطراف میلوں تک پھلدرا اور پھول دار پودے گنے اور چائے کے باغات ایک عجیب سہانہ منظر پیش کررہے تھے۔سامنے ایک پہاڑی کو خوبصورت گھاس پھولدرار پودوں اور سایہ دار درختوں سے سجایا گیا تھا۔اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لئے ایک کشادہ اور خوبصورت بل کھاتی ہوئی سڑک بھی بنائی گئی تھی اس پر کھڑے ہوکر جھیل وکٹوریہ کا نظارا بڑا خوبصورت منظر پیش کرتا۔

ایک دن کمپالہ کے احباب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو وہاں سیر وتفریح کے لئے لے گئے آپ کو بتایا گیا کہ یہ محلات مدوانی نام کے ایک ہندو نے تعمیر کروائے تھے لیکن فرشتہ اجل نے اسے زیادہ دیر وہاں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی۔اس کی موت کے بعد اس کے بیٹوں کو بھی ان محلات میں زیادہ عرصہ قیام کرنے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ صدر عیدی امین نے یوگنڈا سے غیر مسلم اقوام کو ملک بدر کرتے ہوئے انہیں یہاں سے رخصت کردیا۔اب یہ محلات وحشت ویرانی کا مناظر پیش کررہا ہے اور اپنے تعمیر کونیوالوں کی محرومیوں کا ماتم کررہی تھی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت فرمائی۔

کم ترکوا من جنات ونعیم وزروع ومقام کریم ونعمة کانوافیها فاکهین"

بہر حال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۶ نومبر تک جنجا میں قیام فرمایا ۱۶ نومبر کو بذریعہ کار عازم کمپالا ہوئے مغرب کے وقت کمپالا پہنچے،مغرب کی نماز ایک پاکستانی جج کے ہاں ادا فرمائی،رات کو مع اپنے دیگر احباب کے جو جنجا سے آپ کو رخصت کرنے آپ کی معیت میں کمپالا تک آئے تھے۔سعودی سفارت خانے کے ناظم استاذ محمود کے ہاں پہنچے عشاء کی نماز وہیں ادا کی اور رات کا کھانا بھی آپ کے ہاں تناول فرمایا۔اس رات کو آپ مع مولانا عبد الرزاق سکندر کمپالا سے قاہرہ کے لئے محو پرواز ہوئے اور ساڑھے چار گھنٹے کی پرواز کے بعد قاہرہ کے ہوائی اڈے پر پہنچے۔"المجلس الاعلی لشئون الاسلامیہ" کے نمائندے آپ کے استقبال کے لئے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔کسٹم کے مراحل سے گزر کر مجلس کی طرف سے پہلے سے ریزو کردہ ہوٹل کے ایک کمرے میں قیام پذیر ہوتے۔

اس طرح حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے شمالی افریقہ کے جس سفر کا ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ کو آغاز فرمایا تھا ۱۷ نومبر ۱۹۷۵ء کو اپنے اختتام کو پہنچا پینتیس دنوں کے اس طویل سفر میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ردقادیانیت کے سلسلہ میں بڑا قابل قدر

عظیم الشان کام کیا۔ متعدد شہروں میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی تنظیمیں قائم کیں۔ ''موقف الامة الاسلامیہ عن القادیانیہ کے صد با نسخے تقسیم فرمائے۔

مختلف افریقی ممالک میں کام کرنے والی اسلامی تنظیموں اداروں مدارس اور مراکز، نیز ان سے منسلک اہم شخصیتوں اور سربراہوں اور علمی اصحاب سے رابطہ پیدا کرکے ان کی دینی خدمات کو منضبط و مربوط بنانے کی تلقین فرمائی اور اپنے پورے عزم لگن اور حوصلے سے " تمسک بالدین "" اور دین کے تقاضوں پر عمل پیرا ہونے کا درس دیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جن مقاصد کے لئے یہ طویل سفر اختیار فرمجایا الحمدللہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے کمال توجہ جانفشانی اور لگن، سے ان پر کام کیا اور آپ کا یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ حضرت نے برطانیہ کا سفر بھی فرمایا اس کا ذکر نہیں ہوسکا
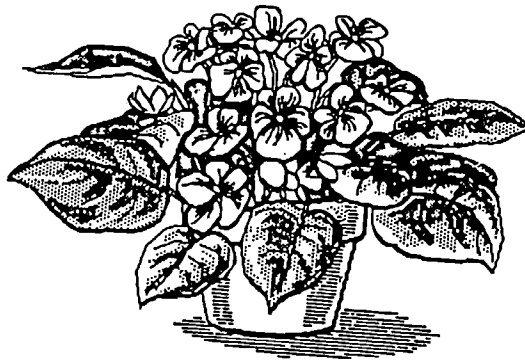
فتنہ قادیانیت

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ زندگی بھر وقت کے اصحاب زیغ وضلال کے خلاف علمی اور عملی میدانوں میں نبرد آزما رہے ، لیکن آپ کی اہم ترین دینی خدمت فتنہ قادیانیت کا تعاقب اور بالآخر اس کا مکمل استیصال ہے ۔ برطانوی استعمار کا کاشتہ وپرداختہ یہ شجرہ خبیثہ گذشتہ نوے سال سے اپنے مسموم اثرات سے دین حنیف کے ضعف واضمحلال کا باعث بنا ہوا تھا ۔ یہ ناسور جسد ملت کو مسلسل چاٹ رہا تھا ، لاکھوں اصحاب ایمان اس کی ملعونیت کا شکار ہو کر کفر وارتداد کے قعر میں گر چکے تھے ۔ لعین قادیان مرزا غلام احمد کو اس کے برطانوی آقایان ولی نعمت نے اپنے استعماری مقاصد کی تکمیل کے لئے کذب وافتراء اور تدجیل وتلبیس کی مسند پر بٹھایا تھا ۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کی اصل روح یعنی جذبہ جہاد کو ختم کر کے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے سیاسی طور پر کمزور کر دیا جائے ۔ چنانچہ اس برطانوی گماشتے نے سب سے پہلے منسوخی جہاد کا فتویٰ دیا اور برطانوی اقتدار کو امن وامان کا گہوارہ اور موجب برکت وسعادت قرار دیا ۔ بقول اس کے اس نے انگریزوں کی مدح سرائی میں اس قدر لٹریچر فراہم کیا ہے کہ اس سے الماریوں کی الماریاں بھر جاتی ہیں ۔

آزادی سے قبل اس فتنہ کے بھیانک روپ کو ہمارے اکابر نے شدت سے محسوس کیا ۔ انہوں نے اس فرقہ ملعونہ ومغضوبہ کے مفترین کے خلاف ہر محاذ پر بھرپور اور کامیاب مقابلہ ومجادلہ کیا ۔ علمی میدان میں اس فرقہ کا ملعون بانی اور اس کی شیطانی ذریت ہمیشہ فرار کا راستہ اختیار کرتی رہی مناظرہ اور مباہلہ میں ہمیشہ انہیں ندامت ہزیمت سے دوچار ہونا پڑا ۔

الغرض فتنہ قادیانیت کے قلع وقمع میں ہمارے اکابر کی محنت آب زر سے لکھنے کے قابل ہے یہ سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے بیان کے لے ایک علیحدہ دفتر ضخیم درکار ہے ۔ لیکن جس شخصیت نے اس فتنہ کی سنگینی کا سب سے پہلے ادراک کیا وہ امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے ۔

امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو اس شجرہ خبیثہ کے مسموم وملعون برگ وبار نے حد سے زیادہ بے چین کر رکھا تھا ۔ ان کی بیدار ایمانی حس نے انہیں شدید طور پر داخلی کرب والم میں مبتلا کر دیا تھا ۔ اسی غم واندوہ کی وجہ سے وہ ایک عرصہ تک بے چین وبے قرار ہو کر راتوں کو اٹھ بیٹھتے اور اپنے نالہ ہائے نیم شبی میں اپنے پروردگار کے حضور اس فتنہ کے استیصال اور دین مصطفوی کے بقاء وتحفظ کی دعائیں کرتے رہتے ۔ حضرت شیخ نے اپنے شیخ کی اس کیفت بیقراری کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے ۔

امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لئے محنتیں کی ہیں ان میں سب سے امتیازی شان امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز اپنے انفاس مبارکہ سے اس فرقہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا ۔ قادیانیوں کے شیطانی وساوس اور زندیقانہ دسائس کا امام العصر نے جس طرح تجزیہ کر کے ان پر تنقید کی ، اس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی ۔ حضرت مرحوم نے خود بھی علوم وحقائق سے لبریز تصانیف رقم فرمائیں اور اپنے تلامذہ ومدرسین دیوبند سے بھی کتابیں لکھوائیں اور ان کی پوری نگرانی اور اعانت فرماتے رہے ۔ میں نے خود حضرتؒ سے سنا ہے کہ جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو چھ ماہ تک مجھے نیند نہیں آئی اور خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں دین محمدی ﷺ کے زوال کا باعث :

فتنہ نہ بن جائے فرمایا چھ ماہ کے بعد میں مطمئن ہوگیا کہ انشاء اللہ دین باقی رہیگا اور یہ فتنہ مضمحل ہو جائیگا۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا کہ امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں ایک زخم سا ہوگیا ہے جس سے ہروقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔ جب مرزا کا نام لیتے تو فرمایا کرتے تھے " لعین بن لعین قادیان " اور آواز میں ایک عجیب درد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی فرماتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درد دل کا اظہار کیسے کریں ؟

ہم اس طرح اپنے قلبی نفرت اور غیظ و غضب کے اظہار پر مجبور ہیں

(خاتم النبیین اردو ایڈیشن ص ۲۴۰)

حقیقت یہ ہے کہ قادیان کے اس مغضوب علیہ اور ملعون شخص کی وجہ سے دین محمدی کو جو نقصان پہنچا ہے اسکی نظیر عالم اسلام میں نہیں ملتی برطانوی مفادات کی چوکیداری کرنے والے اس کتے کی وجہ سے لاکھوں مسلمان جہنم کا ایندھن بنے۔

اخبث الناس قلبا اشقی الناس روحا اور اشرالناس عملا اس شخص کی خباثت و دنایت ، شورہ پشتی دجل اور تلبیس کا سلسلہ اس قدر وسیع ہے کہ ارض و سماء بھی کانپ کانپ جاتے ہونگے قصر نبوت کے اس بڑے شیطان نقب زن کو یوم محشر ان ملعونوں کا سردار بنا کر گھسیٹا جائے گا ، جن کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے ۔**اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین**

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علوم و معارف کے بے بہا خزائن ہی نہیں بلکہ فتنہ قادیانیت کے خلاف حضرت امام کا سوزِ دروں آتشِ غیظ و غضب اور شعلہ افشاں تنفر بھی آپ کے قلب و ذہن پر منتقل ہوگیا جن لوگوں کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے قرب و مصاحبت کا شرف حاصل ہے ۔وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ جب آپ کے سامنے دین مصطفوی کے دفاع اور اہل فتن سے محاربہ اور مجادلہ کا معاملہ درپیش ہوتا تو آپ کا جلال دیدنی ہوتا تھا ۔آپ کے قلم اور آپ کی زبان سے الفاظ نہیں بلکہ آتشیں تعبیرات کا صدور ہوتا تھا ۔ الحاد و زندقہ کے خلاف منبع قلب کے غضب و تنفر کا بہاؤ اس قدر پر جوش اور تند و تیز ہوتا کہ الفاظ و تعبیرات کے لئے اردو زبان کو اپنی تنگ دامانی پر ندامت ہوتی۔

چنانچہ ایسے حالات میں آپ کو اظہار و بیان کے لئے عربی زبان کا سہارا لینا پڑتا ۔

ذیل کے چند جملوں سے قادیانیت کے خلاف حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے آتش بطن اور شعلہ افشاں قلم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

" فبدت فی ھذہ الایام فتنۃ کبری' تدع الارض بلاقع الاوہی فتنۃ الکارثۃ التی تستمیٰ با لفتنۃ القادیانیۃ والطائفۃ المرزائیۃ تعزی الیٰ زعیمھا الضال المضل المرزا غلام احمد القادیانی الھندی .و وصل الی امہ الھاویۃ نارحامیۃ فکان عتلا زنیمامعتدیا اثیما آخرا وقاحا اذا ع فی اذنابہ کفرا بواحا وضلالا صراحا ،لم یغادر شیئا من شعائر الاسلام الا زعجہ وابطلۃ ونحن نذکر نبذا من احوال ہذہ الفتنۃ المارقۃ من الدین باغیۃ علی اللہ ورسولہ

وسائیر المسلمین

(نفحۃ العنبر ص ۱۰۵)

برطانوی عہد استبداد میں انگریزوں نے اپنی سیاسی ضرورت کے تحت قادیان میں جھوٹی نبوت کا بیج بویا تھا ۔ چنانچہ اس کی نشو ونما اور پرداخت میں انہوں نے ہر طرح کی سرپرستی اور پشت پناہی کا ثبوت دیا ۔

لعین قادیان کی شیطانی ذریت اور اس مغوی و مضل کے ہاتھوں قعر ضلالت میں گرنے والے بدبخت افراد کو مالی وسائل سے نوازا گیا ۔ سول اور فوج میں انہیں اعلیٰ مناصب پر فائز کیا گیا ۔ ان کے بچوں کو سرکاری وظائف پر اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے برطانوی درسگاہوں میں بھیجا گیا ۔ انہیں کاروباری سہولتیں دی گئیں ۔ تبلیغ کے نام پر برطانوی نوآبادیات میں دجل وتلبیس کے جال بچھائے گئے ۔ چند ہی سالوں میں سیالکوٹ کے ایک ناکام پٹواری کی اولاد انگلستان کے شبستانوں میں داد عیش دینے لگی امت مرزائیہ کی اس مالی خوش حالی کو دیکھ کر بے شمار سادہ لوح اور ناخواندہ افراد مسیلمہ پنجاب کے دام تزویر میں پھنس گئے ۔

برطانوی استعمار کی سرپرستی میں یہ شجرۂ خبیثہ برگ وبار لا رہا تھا تو دوسری طرف ہمارے اکابر اس کی جڑیں کھودنے میں مصروف تھے حضرت امام العصر ، ان کے عالی مرتبت تلامذہ اور ابنائے دیوبند نے علمی میدان میں امت مرزائیہ کو قادیان کے سوراخوں میں پناہ لینے پر مجبور کردیا تھا مجادلہ ومناظرہ کے میدانوں میں مقابلہ کے لئے ان کے قلوب واذہان اور اعضاء وجوارح مفلوج ہوچکے تھے ۔ رہی سہی کسر مرحوم پرفیسر برقی نے پوری کردی جنہوں نے مرزائیت کے کھدو کی ساری لیریں بکھیر کر رکھ دیں یعنی اس منحوس خلافت کے تمام نقاب نوچ کر اسے عام خواندہ افراد کے سامنے ننگا کرکے رکھ دیا ۔

تاہم شاطر انگریز حکمرانوں نے اس کے بقاء وتحفظ اور ترقی وترویج کے لئے اسے تمام ضروری مراعات فراہم کیں اہل اسلام تڑپ سکتے تھے اپنے سوز دروں کا اظہار کرسکتے تھے اپنے قلبی کرب کی داستان سناسکتے تھے لیکن برطانیہ کے استبدادی عہد حکومت میں اس شجرہ خبیثہ کو بیخ وبن سے اکھیڑ نہیں سکتے تھے ۔

اسے اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم کہیے یا جناب رسالت مآب ﷺ کا معجزہ یا ورفعنا لک ذکرک کی عملی تفسیر کہ فتنہ وابتلاء کے اس دور میں شمع رسالت کے پروانوں اور ختم نبوت کے پاسبانوں کی ایک جماعت "مجلس احرار اسلام" کے نام سے معرض وجود میں آئی دیکھتے ہی دیکھتے اس جماعت میں اصحاب فکر وقلم شہیران تحریر وخطابت وکفن بردوش سرفروشوں کی ایک معتد بہ تعداد اس میں شامل ہوئی ۔ اس جماعت کے جانباز مجاہدوں نے ایک طرف استخلاص وطن کے لئے برطانوی استعمار کو للکارا تو دوسری طرف اس کے ساختہ وپرداختہ ختم نبوت کے ڈاکوؤں کا تعاقب کیا ، اس کے کارکن اخلاص ووفا کے پیکر اور عصمت ختم نبوت پر جانیں قربان کرنے والے فدائی تھے ۔ اس کے راہنما سحر خطابت کے اوصاف سے بدرجہ اتم متصف تھے ۔ یہ جلسے جلوسوں کا دور تھا اور عامۃ المسلمین کی اصلاح ورہنمائی کے لئے تقریر کا جادو ہی اہم ترین ذریعہ تھا یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ برصغیر کی تاریخ میں کسی بھی سیاسی مذہبی یا سماجی تنظیم کو اس طرح کے ولولہ انگیز پرجوش اور سحر کار خطیب میسر نہیں آئے ، جو "مجلس احرار اسلام" کے پلیٹ فارم پر جلوہ گر ہوئے ۔

مجلس احرار کے رہنماؤں اور اس کے کارکنوں نے امت مرزائیہ کا بھرپور تعاقب کیا انہوں نہ صرف یہ کہ برصغیر کے کونے کونے میں مرزائیت کے شیطانی مکایدو وساوس سے اسلامیان ہند کو آگاہ کیا مرکز مرزائیت قادیان کا گھیراؤ کرکے اسے مناظرے، مباہلے اور مجادلے کے ذریعے زچ کرکے رکھ دیا مرزا کی شیطانی ذریت اور اس کے اشرار حواری "مجلس احرار اسلام" کی اس ولولہ انگیز پیش قدمی سے بوکھلا اٹھے اور اپنے برطانوی آقاؤں سے اپنے جانی، مالی اور مادی تحفظ کے لئے گڑگڑا کر مستمد ہوئے۔

انگریز بہرحال ان کا آقائے ولی نعمت تھا۔اس نے اپنے ان پالتو کتوں کے تحفظ کے لئے مجلس احرار کے رہنماؤں اور کارکنوں پر دارد گیر کا ہر حربہ اور ابتلاء وآزمائش کا ہر طریقہ آزمایا برصغیر کی جیلیں آج بھی مجلس احرار کے جانبازوں کے ثبات واستقلال اور عزم کی ثنا خواں ہیں۔ ختم نبوت کے ان فدائیوں نے اپنی جوانی کے بہترین ایام اطواق وسلاسل کے زیورات پہن کر گزارے یہ ایک طویل اور مفصل داستان ہے اخلاص ووفا، ایثار وقربانی، جذبہ فدائیت اور عزیمت وحوصلگی کی، ایثار و فدائیت کی یہ داستان جانباز مرزا کی کتاب کاروان احرار میں بڑی شرح وبسط میں مطالعہ کی جاسکتی ہے۔

المختصر مجلس احرار نے چند ہی سالوں میں ختم نبوت کے دفاع و تحفظ کے لئے جوولولہ انگیز کارہائے نمایاں انجام دئے ان کی وجہ سے ہمارے اکابر نے ان کی ہر طرح سے تائید ونصرت فرمائی۔

اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ علوم ومعارف کے بحر بیکراں امام العصر حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اور علم وعرفان کے جبال راسیات ابنائے دیوبند نے مجلس احرار کے امیر حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو امیر شریعت کا لقب دے کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور فتنہ قادیانیت کے قلع واستیصال کے سلسلہ میں انہیں ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

حضرت امیر شریعت کی بیعت کرنے والوں میں ہمارے شیخ حضرت شیخ بنوریؒ بھی شامل تھے۔

حضرت شیخ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب نفحۃ العنبر کے نام سے اپنے عظیم شیخ کی سوانح حیات مرتب فرمائی تو اس میں ایک اہم باب "الشیخ والفتنہ المرزائیہ" کا عنوان قائم کرکے مجلس احرار اور اس کی عظیم الشان خدمات کو ذیل کے کلمات سے خراج تحسین پیش فرمایا۔

" هذا الذی تری الیوم فی ارجاء الهند من تاسیس لجنات وانعقاد اجتماعات حافلة واجراء الجرائد والمجلات الحسم عروق ہذه الفتنة المتاصلة لاسیما مساعی جمعیة الاحرار ورئیس شعبة تبلیغها المجاہد الباشمشم الامة خطیب القوم، مولانا سید عطاء اللہ شاہ البخاری اطال اللہ بقاه وزاد ہمتہ واخلاصہ کل ذلک من ماثرہ السنیة الباقیة علی صفحات الدهر وسنتہ الحسنة السائرة بین المسلمین (نفحۃ العنبر ص ۲۰۱)

یہ جو آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ برصغیر کے گوشہ گوشہ میں جماعتیں تشکیل دی جارہی ہیں۔ جلسے جلوسوں کا انعقاد ہورہا ہے۔ جرائد ورسائل نکل رہے ہیں۔ یہ تمام اس فتنہ کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں خاص طور پر مجلس احرار اور اس کے شعبہ تبلیغ کے امیر ایک جانباز مجاہد شیر امت خطیب ملت حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز فرمائے ان کی ہمت وحوصلہ میں اضافہ فرمائے (مجلس احرار کی یہ

ولولہ انگیز جدوجہد اور اکابر اسلام کی) یہ تمام
خدمات آپ (یعنی امام العصر حضرت انورشاہ کشمیری
رحمۃ اللہ علیہ) کے تابندہ ماثر ہیں جن کے نقوش دوام
صفحات دہر پر ہمیشہ باقی رہیں گے اور یہ آپ کی سنت حسنہ
ہمیشہ مسلمانوں میں جاری وساری رہیگی "

متحدہ ہندوستان میں مجلس احرار اور اکابرین ملت نے فتنہ مرزائیت کے قلع واستیصال کے لئے اپنی تمام علمی اور عملی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کی تھیں مگر برطانوی استبداد کے جابرانہ نظام میں اس فتنہ کی مکمل پشتپناہی کی وجہ سے مرزائیت کا شجرہ خبیثہ جڑ سے اکھاڑ پھینکا نہ جاسکا۔ تاہم اس کا اس قدر فائدہ ضرور ہوا، کہ "عامۃ المسلمین" اس فتنہ کے بھیانک روپ سے آگاہ ہوگئے۔

پاکستان معرض وجود میں آیا تو حضرت شیخ نے شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء وارشاد کی تعمیل میں ڈابھیل کو خیر باد کہا اور پاکستان تشریف لائے ۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا پاکستان میں ورود ۱۹۵۱ء میں عمل میں آیا ۱۹۵۳ء میں مشہور عالمی تحریک ختم نبوت چلی ، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک کی قیادت وسیادت کے ذریعہ اس میں بھرپور حصہ لیا۔ گو یہ تحریک بعض وجوہ کی بناء پر مکمل طور پر کامیاب نہ ہوسکی لیکن اس نے قصر اقتدار کی دیواریں ہلاکر رکھ دیں۔ نہ صرف قادیانی وزیر خارجہ چوہدری ظفراللہ اس تحریک کی بدولت اقتدار سے محروم ہوا بلکہ خواجہ ناظم الدین کی پوری کابینہ اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

۱۹۵۳ء کی یہ تحریک فتنہ قادیانیت کے استیصال کا نقطہ آغاز تھا اسکے بعد قادیانیت کو پاکستان میں اپنے مذموم توسیعی عزائم پورے کرنیکا موقع نہ مل سکا۔

ٹنڈواللہ یار میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسال تک درس حدیث وتفسیر کی خدمات سرانجام دیں اور پھر ۱۹۵۴ء میں آپ نے کراچی کو اپنا مستقل دارالقرار بنالیا ۔ جمشید روڈ پر واقع بنوری ٹاؤن کے علاقہ میں آپ نے "مدرسہ عربیہ اسلامیہ" کے نام سے ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی اور توکلاً علی اللہ اپنے مخلص رفقاء کی معیت میں اس ادارے کو علوم ومعارف کے ایک عظیم مرکز تک ترقی دینے میں آپ نے جس اخلاص للہیت ، محنت وجانفشانی ، ایثار وقربانی اور جانگسل حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا وہ دینی حلقوں کی تعلیم واشاعت کی ایک مستقل داستان ہے۔

کراچی میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا قیام اہل کراچی کے لئے بالخصوص اور اہل پاکستان کے لئے بالعموم موجب برکت وسعادت ثابت ہوا اہل علم کو اپنے اسلاف کے علوم ومعارف کے انمول خزائن کا امین مل گیا ۔ طلبہ کو دارالعلوم دیوبند کی علمی فضا میسر آگئی سقیم دلوں کو ایک مرشد مزکی مل گیا ۔ اسلامیان پاکستان کو ان کی دینی رہنمائی کے لئے ایک نڈر بیباک صاحب ادراک ، اور بیکر غیرت حمیت رہنما کی خدمات حاصل ہوگئیں۔

الغرض ایک مجاہد فی سبیل اللہ ایک امام وقت اور ایک قائد اسلامی کی حیثیت سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو جواوصاف

حمیدہ اور فضائل محمودہ مشیت ایزدی کی طرف سے ودیعت فرمائے گئے تھے۔ ان کے علمی اظہار کے لئے کراچی بہترین آماجگاہ ثابت ہوئی۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ملک کی ایک عظیم دینی درسگاہ بن گئی اسکی ظاہری و باطنی شان وشوکت عروج پر پہنچ گئی اس کی مسجد اس کی درسگاہیں اور اقامت گاہیں مختلف انواع علوم وفنون پر مشتمل نایاب ونادر اور ضخیم کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ اساتذہ کرام کی ایک منظم جماعت اور حصول علم میں منہمک اور مگن طلبہ کی ایک مثالی تعداد۔

الغرض ایک ادارے کے جملہ لوازم میسر آچکے تھے۔ تاہم قطرے کو گہر ہونے تک جن مراحل سے گزرنا پڑا ان کی بدولت آپ

ثم یوضع لہ القبول فی الارض "

کی عملی تفسیر بن چکے تھے عرب و عجم کی علمی مجالس آپ کے علمی تفوق کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کرتی تھیں۔ کلیدی مناصب پر فائز اعلیٰ سرکاری حکام آپ کے حضور اپنی نیازمندی کو باعث شرف سمجھتے تھے اصحاب جاہ وثروت آپ کی ایک نگاہ التفات کے منتظر رہتے تھے۔۔ عامۃ المسلمین کی عقیدت و شیفتگی اظہار وبیان سے قاصر ہے۔

الغرض ہر طبقہ ہر حلقہ اور ہر سطح کے افراد ایک غیر مرئی مقناطیسی کشش کے تحت آپ کی طرف کھنچے چلے جاتے، اور جہاں کہیں بھی آپ تشریف لے جاتے معلوم ہوتا تھا کہ سیادت ووجاہت اور احترام وعقیدت کا اجتماع ہورہا ہے۔

یہ اکرام یہ اجلال یہ عقیدت یہ شیفتگی یہ وجاہت اور سیادت یہ شان محبوبیت وہ مواحب وعطایا ہیں جن سے حق تعالیٰ اپنے منتخب افراد کو دین کے خاص مقاصد کے حصول کے لئے نوازتا ہے۔

بات بڑی ہے منہ چھوٹا ہے۔ لیکن کہنے سے باز بھی نہیں رہ سکتا کہ دین کی اصلاح وتجدید کا عظیم الشان کام کرنے والے مجددین وصدیقین ہی اس قسم کی وھبی نوازشوں سے سرفراز کئے جاتے ہیں۔ بے پایاں کرم و عطاء کا یہ سلسلہ یقینا اس لئے تھا کہ وقت آن پہنچا ہے جب فتنہ قادیانیت کو آپ کے ہاتھوں نیست ونابود ہونا تھا۔

ذالک من فضل اللہ یوتیہ من یشاء
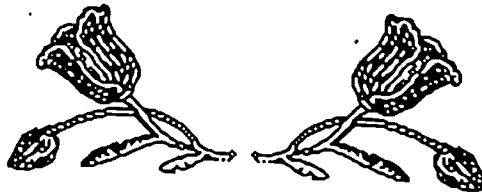
ضرب آخر

پاکستان جب منصہ شہود پر جاوہ گر ہوا تو قادیان کا دار الکفر بھی ہندوستان کے حصہ میں آیا مرزایت کا قبلہ اول اور مکۃ المسیح بھی ان سے چھن گیا۔ دجال قادیان کا فرزند اکبر محمود اپنے صحابہ اور امہات المومنین کو لے کر لاہور میں پناہ گزین ہوا، یہاں آکر اس نے ضلع سرگودھا کے ایک دور افتادہ کوہستانی علاقہ میں ربوہ کے نام سے دجل وفریب کے ایک نئے مرکز کی بنیاد رکھی مشرقی پنجاب سے آنے والے متعدد مرزائیوں نے ربوہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ مغربی پنجاب کے بھی بہت سے قادیانی خاندان ربوہ منتقل ہوگئے اس طرح چند سالوں میں ربوہ اس امت خبیثہ کا بہت بڑا بین الاقوامی گڑھ بن گیا۔ قادیانیوں نے وہاں ایک عظیم الشان سیکرٹریٹ قائم کرکے دفاتر قائم کیئے پریس لگائے رسائل وجرائد کا اجراء کیا، تعلیمی ادارے قائم کے اور غیر ممالک میں اپنے مشنری وفود کی ترسیل اور اپنے مبلغین سے رابطوں کا ایک مربوط نظام قائم کیا۔ ملکی سیاسیات اقتصادیات، ذرائع ابلاغ و بیور کریسی اور فوج کے بیشتر اعلیٰ مناصب پر ان کا کنٹرول ہونا شروع ہوگیا تھا۔

اس طرح حکومتی سطح پر انہیں غیر معمولی تعاون اور کثیر مراعات حاصل تھیں، بین الاقوامی طور پر استعماری قوتیں ان کی پشت پناہ تھیں حتی کہ اسرائیل ایسے دشمن ملک میں بھی مرزائیوں کے مشنری دفاتر قائم تھے۔

پھر یہی نہیں خود پاکستان کا اقتدار جن ہاتھوں میں تھا ان میں سے بیشتر وہ پشتینی نواب اور جاگیر دار تھے جن کے سینوں پر برطانوی مقاصد کے تحفظ کی خاطر خدمات سرانجام دینے کے عوض "حسن کارکردگی کے تمغے آویزاں تھے ان کے نزدیک قادیانیت بھی اسلام کا ایک حصہ تھی بلکہ وہ اپنے سابقہ آقایان ولی نعمت کی خوشنودی کے حصول کی خاطر قادیانیوں سے ترجیحی سلوک روا رکھتے تھے۔

اس پر ستم یہ کہ متحدہ ہندوستان میں دجل وتلبیس کے قادیانی مرکز پر کامیاب یلغار کرنے والی مجلس احرار، تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ سے عدم تعاون کی وجہ سے حکومت کے ارباب بست وکشاد کے ہاں معتوب ومغضوب ٹھہرائی جاچکی تھی۔

ان ظاہری ومادی اسباب ووسائل اور موافق ومطابق احوال کی موجودگی کی وجہ سے یہ امت کاذبہ اس زعم فاسد میں مبتلا تھی کہ ان کی جعلی نبوت کا کاروبار خوب چمکے گا۔

اور اہل اسلام کی کوئی تنظیم یا ادارہ ان کے دینی مفاسد وعقائد کو چیلنج کرنے کی جرات نہیں کرسکے گا اور اگر کسی نے یہ قدم اٹھایا بھی تو سرکاری مناصب پر فائز قادیانی حکام حکومت کو اس کی گوشمالی پر مجبور کردیں گے۔ اور اسے شر پسندی اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کے الزام میں پس دیوار زنداں کردیں گے۔

حالانکہ افراد، شخصیات، ادارے اور تنظیمیں محض ظواہر ہیں اپنے دین کی حفاظت اور اپنے پیغمبر ﷺ کی ختم نبوت کی پاسبانی حق تعالیٰ کا اپنا کام ہے۔ اور جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرمالے تو پھر ارض وسماء کی ساری طاقتیں اس کے ایک اشارے کے سامنے عاجز وقاصر ہوجاتی ہیں۔

قادیانیوں کی نظر محض ظاہری وسائل کی فراوانی اور حالات کی ان کے حق میں موافقت پر تھی وہ اس حقیقت کو فراموش کرچکے

تھے کہ حریم نبوت کے ان نقب زنوں کا تعاقب کرتے ہوئے کتنی ماؤں نے اپنے لخت ہائے جگر کی قربانیاں دی تھیں؟۔ کس قدر بڑھاپے کے سہارے شمع رسالت پر فدا ہوئے تھے؟ کتنی جوانیاں گداز جسموں سے کھیلنے کی بجائے پس دیوار زنداں مضمحل ہو گئیں؟ اور کس قدر ارباب قلوب کے نالہ ہائے نیم شب متیٰ نصر اللہ کی فریاد کرتے رہے۔ کیا یہ ساری قربانیاں آہیں اور سسکیاں عرش الہیٰ سے ٹکراتی نہیں ہیں کیا حق تعالیٰ اپنے بندوں کے فداکارانہ جہاد و پیکار کے عمل سے غافل تھا؟ نعوذ باللہ نہیں اور ہرگز نہیں یہ اس کی تکوینی مصلحتیں تھی، کہ اس نے اپنے بندوں کو جہاد و شہادت کی نعمت سے نوازا اور قادیانی فتنہ پردازوں کو ڈھیل دی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب علی غضب کے مصداق بن جائیں اور وہ وقت آن پہنچے جب امر اللہ کی آمد واجب ہو جائے۔ اور پھر ہر مفتری اور کذاب غضب الہی کا شکار ہو کر خس و خاشاک کی طرح بہ جائے۔

ظاہر ہے یہ کام بھی حق تعالیٰ اپنے دوسرے عباد مکرمون سے لیتا ہے۔ عباد مکرمون کے اسی گروہ کی امامت و سیادت کا شرف اس نے اپنے ایک خاص بندے حضرت الشیخ البنوری کو بخشا۔

چنانچہ مجلس تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک نئی غیر سیاسی تنظیم کی تاسیس کی گئی۔ حضرت امیر شریعت کو اس تنظیم کا پہلا قائد امیر منتخب کیا گیا۔ مجلس تحفظ ختم نبوت کے راہنماؤں میں بیشتر وہ مجاہد تھے جنہوں نے متحدہ ہندوستان میں فتنہ قادیانیت کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنے کے ساتھ ساتھ استخلاص وطن کے لئے سرفروشانہ جہاد و پیکار کی روشن مثالیں قائم کی تھیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے برصغیر کی ان سیاسی جماعتوں کا ساتھ دیا تھا جو برطانوی استعمار کے خلاف برسرپیکار تھیں۔

چنانچہ تحریک قیام پاکستان کے دوران اور قیام پاکستان کے بعد ان راہنماؤں پر قیام پاکستان کی مخالفت کے الزامات عائد کئے گئے متحدہ ہندوستان میں ان حضرات کا سیاسی موقف یقیناً مسلم لیگ کے رہنماؤں کے خلاف تھا، لیکن پاکستان جب عملاً معرض وجود میں آیا تو امیر شریعت اور آپ کے رفقاء نے واشگاف الفاظ میں نو تشکیل شدہ مملکت کی ترقی و استحکام اور جغرافیائی اور نظریاتی حدود کے تحفظ و دفاع کے لئے اپنی پوری توانائیاں اور صلاحیتیں وقف کر دینے کا اعلان فرمایا۔ لیکن مسلم لیگ نے ان حضرات کی مخلصانہ اس پیش کش کا مثبت جواب نہ دیا اعیان حکومت کی اس سرد مہری نے قادیانی گماشتوں کو مزید شہ دی۔ چنانچہ قادیانی پریس اور اس کے ہمنواؤں نے بڑے تسلسل اور تواتر کے ساتھ تحریک پاکستان کی مخالفت کے گھسے پٹے الزامات کو جلی عنوان سے اجاگر کرنا شروع کر دیا۔ مخلصین کے اس۔ گروہ نے اپنوں کی سرد مہری اور دشمنوں کی کھلم کھلا مخالفت کے علی الرغم چراغ مصطفوی کو اپنے جگر کا خون دے دے کر روشن رکھا۔

مجلس تحفظ ختم نبوت نے ملک کے طول و عرض میں اس کی شاخیں قائم کیں۔ مبلغین کی ایک کثیر تعداد تیار کر کے انہیں بیرون ملک بھیجا گیا۔ قادیانی وساوس و دسائس کے حقیقی خدوخال نمایاں کرنے کے لیے بڑی تعداد میں لٹریچر تیار کروایا گیا اور وقتاً فوقتاً ملک کے مختلف شہروں اور قصبوں میں رد قادیانیت کے جلسوں کے انعقاد کا سلسلہ جاری رکھا بہر حال ان ناموافق حالات میں مجلس تحفظ ختم نبوت کے اعیان سے جو کچھ بن سکا انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

۲۱ اگست ۱۹۶۱ء کو حضرت امیر شریعت کے سانحہ ارتحال کا ہولناک واقعہ پیش آیا مجلس تحفظ ختم نبوت ریاض رسول

کے بلبل ہزاداستان اوراس شیر بیشہ خطابت سے محروم ہو گئی جس کی دہاڑ سے قادیانی ایوانوں میں زلزلہ آجاتا تھا۔

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے وصال کے بعد " مجلس تحفظ ختم نبوت کی قیادت وامارت مختلف سنین میں درج ذیل شخصیات کے ہاتھوں میں رہی

(۱) حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی (المتوفی ۱۳۸۳ھ بطابق ۱۹۶۶ء)

(۲) حضرت مولانا محمد علی جالندھری (المتوفی ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء

(۳) مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر (المتوفی ۱۱ جولائی ۱۹۷۳ء)

حضرت مولانا لال حسین اختر کی وفات کے بعد مشہور مناظر فاتح قادیان مولانا محمد حیات صاحب کا مجلس کی امارت کے لئے انتخاب کیا گیا۔ مولانا محمد حیات صاحب نے اپنے انتخاب کے وقت مستقل طور پر اس اہم ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کے لئے اپنے ضعف وعوارض کی وجہ سے معذوری کا اظہار فرمایا انہوں نے یہ عہدہ عارضی طور پر اگلے مستقل انتخاب تک قبول کرنے کی حامی بھرلی تھی ان حالات میں وابستگان وکارکنان مجلس تحفظ ختم نبوت کی نظریں کسی ایسی بھاری بھرکم شخصیت کو تلاش کررہی تھیں، جواس اہم اور نازک دینی فریضہ کی ادائیگی کے لیے امارت وسیادت کے جملہ اوصاف وکمالات اور جواہر سے مالامال ہو۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے قدیم رہنماؤں میں سے بیشتر اپنی مفوضہ ذمہ داریاں کماحقہ پوری کرنے کے بعد منہم قضی نحبہ کے جملہ تقاضے پورے کرتے ہوئے آغوش رحمت خداوندی میں محواستراحت ہوچکے تھے۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس عالی منصب کی امارت کسی ایسی شخصیت کو تفویض کی جائے جواس کی اعلیٰ روایات کی امین ہو جس کا دردمند اور روشن دماغ حفاظت دین کی گرانبار ذمہ داریوں سے بدرجہ اتم عہدہ براہونے کی صلاحیتوں سے مالامال ہو اور جو حریم نبوت کی پاسبانی کے لئے اپنی تمام محبوبات اور مرغوبات کو بحذ اخیرہ قربان کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔

ان ظاہری و باطنی اوصاف وکمالات کی حامل شخصیت اس وقت صرف ایک ہی تھی اور وہ تھے شیخ الاسلام امیر الملۃ حضرت العلامۃ مولانا سید محمد یوسف البنوری الحسینی رحمۃ اللہ علیہ۔ چنانچہ مجلس کے کارکنوں نے اپنی کشتی تحریک کو اس ماہر مشاق اور بیباک ناخدا کے سپرد کرنیکی درخواست کی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت عمر کے اس حصے میں تھے جس میں اعلیٰ مقاصد کے لئے کام کرنے والی کسی تنظیم کی امارت وسیادت کی نازک اور گرانبار ذمہ داریوں سے عہدہ براہونیکی صلاحیتیں کمزور پڑجاتی ہیں۔ آپ کا طبعی مزاج آپ کے دیگر مشاغل کی کثرت اور نوع بنوع عوارض اس قسم کی اہم ذمہ داریوں کو قبول کرنے کی راہ میں حائل تھے۔ لیکن ان تمام موانع وعوائق کے باوجود فتنہ مرزائیت کے خلاف آپ کے سوز دروں اور آتش قلب کی وجہ سے آپ نے "مجلس تحفظ ختم نبوت" کو اپنی سرپرستی میں لینے کا فیصلہ فرمالیا۔ چنانچہ ۱۵ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۹۷۴ کو عالم اسلام کی اس مایہ ناز شخصیت کو "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی قیادت کی مبارک ذمہ داری مشیت ایزدی کی طرف سے ربیع الاول اور اپریل کے حسین اجتماع کے دوران تفویض کی گئی کیا، یہ دونوں مہینے جہانوں کی آخری رحمت تمام اور تاجدار ختم نبوت کے عالم غیب سے عالم شہود میں تشریف لانے کا عرصہ نہیں ہے۔

یہ اجتماع شہرین محض ایک عام اتفاق نہیں بلکہ مستقل قریب میں ملت بیضاء کی تابناک تاریخ میں رونما ہونے والے ایک روشن باب کا پیش خیمہ تھا۔

یہ ہمارے اکابر کے تضرع وابتہال کے ساتھ مسلسل دعاؤں اور جانفروشانہ جہاد وپیکار کا نتیجہ تھا کہ "مجلس تحفظ ختم نبوت" کو ایک پرخلوص اور بابرکت قیادت نصیب ہوئی اور اسی دوران حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل رغبت وتحریک کی بدولت مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کے زیر اہتمام ۴۴ مقتدر تنظیموں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں ان تنظیموں کے نمائندوں نے مسلسل چھ روز کے غور وخوص کے بعد ایک متفقہ طور پر قرارداد منظور کی

ذیل میں اس قرارداد کے متن کا اردو ترجمہ کیا جاتا ہے۔

قادیانیت ایک نہایت خطرناک باطل مذہب ہے جو اپنی اغراض خبیثہ پر پردہ ڈالنے کے لئے اسلام کے نام کا لبادہ اوڑھتا ہے اس کی اسلام سے مخالفت ان باتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

(الف) اسلام دشمن طاقتوں کی مدد سے دنیا میں "مساجد" کے نام سے ادارے تعمیر کرنا جن میں قادیانی کفر وارتداد کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کیا جائے۔

(د) مدارس، سکول اور یتیم خانوں کے نام پر اڈے بنانا جن میں اسلام دشمن طاقتوں کی منشاء کے مطابق قادیانیوں کی سازشی سرگرمیوں کی تربیت دی جائے۔

(ج) دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تحریف شدہ ترجمے پھیلانا۔

چنانچہ قادیانیت کی مذکورہ بالا مذموم سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات اٹھانے کا کانفرنس میں متفقہ طور پر فیصلہ کیا گیا۔

(۱) دنیا کی تمام اسلامی تنظیمیں اور جماعتیں قادیانیوں کے معابد، مدارس، یتیم خانوں اور ان کے دیگر سازشی مقاصد کے مراکز پر کڑی نگرانی رکھیں، ان کی سازشوں کا محاسبہ کریں۔ لوگوں کو قادیانیوں کے جال سے بچانے کے لئے انہیں بے نقاب کریں اور عالم اسلام کو ان کی حقیقت سے آگاہ کریں۔

(۲) اس گروہ کے کفر اور خارج از اسلام ہونے کا اعلان کریں۔

(۳) قادیانیوں سے کوئی لین دین نہ کیا جائے، بلکہ ان کا اقتصادی معاشرتی اور اجتماعی بائیکاٹ کیا جائے ان سے شادی بیاہ نہ کیا جائے انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا جائے اور ہر بات میں ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے جو کافر سے کیا جاتا ہے۔

(۴) اسلامی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ قادیانیوں کی ہر قسم کی سرگرمیوں پر پابندی لگائے انہیں قانونی طور پر "غیر مسلم اقلیت" قرار دلوائے اور انہیں کسی اسلامی ملک میں کوئی ذمہ دار عہدہ نہ دیا جائے۔

(۵) قرآن حکیم میں قادیانیوں کی طرف تحریفات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے قادیانی تراجم کو ضبط کیا جائے اور ان کی ترویج

واشاعت کا انسداد کیا جائے۔

ادھر عالم اسلام کا سارا دل ودماغ اپنی تمام تر صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ اس فتنہ عظمیٰ کے قلع واستیصال میں دیوانہ وار مصروف عمل تھا، تو ادھر کارکنان قضاء وقدر لوح محفوظ کی تحریروں کو عملی جامہ پہنانے میں مشغول تھے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو "مجلس تحفظ ختم نبوت" کی مسند پر سریر آراء ہوئے ابھی دوماہ کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کو ربوہ ریلوے اسٹیشن پر قادیانی غنڈوں نے ریل میں سوار مسلمان مسافروں پر حملہ کرکے انہیں شدید جانی اور مالی نقصان پہنچایا۔ بظاہر یہ فوجداری نوعیت کا سانحہ تھا، لیکن حقیقت میں یہ وہ آخری گولی تھی جو اس امت خبیثہ کے جیالوں نے قادیانیت کے جسد خباثت پر خود اپنے ہاتھوں سے چلائی تھی۔

مسلمانوں کے دل پہلے ہی ان کی چیرہ دستیوں سے گھائل تھے وہ ان کی اس جرات پر تلملا اٹھے وہ سراپا احتجاج بن گئے انہوں نے آخری اور فیصلہ کن ٹکر لینے اور قادیانی تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کے لئے اپنے سروں پر کفن باندھ لئے ملک کے طول وعرض میں احتجاج اور اشتعال کی ایک طوفانی لہر دوڑ گئی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ربوہ کے اس حادثہ فاجعہ کے وقت سوات کے دور دراز علاقوں میں سفر پر تھے آپ کو اطلاع دی گئی آپ فوراً واپس تشریف لائے۔ یہاں آکر آپ نے حالات کا جائزہ لیا اور اکابر ملت سے مشاورت کے بعد آئندہ کے لئے ایک مربوط لائحہ عمل مرتب فرمایا۔

کسی قائد کی قائدانہ صلاحیتوں کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب اس کی قوم کی کشتی بحران کے تھپیڑوں کی زد میں آچکی ہو۔ یہ اس کی قائدانہ بصیرت، حوصلے اور جرات مندانہ پیشروی کے اظہار کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ان نازک حالات سے کماحقہ عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے پروردگار کے حضور اپنے ضعف وناتوانی کا اقرار کرتے ہوئے تضرع وابتہال کی ساری حکایتیں دہرادیں مشیت ایزدی کی طرف سے بھی فتنہ قادیانیت کے استیصال کا فیصلہ کیا جاچکا تھا۔ چنانچہ ان آہوں، سسکیوں اور فریادوں کے جواب میں **الا ان نصراللہ قریب** کی نوید جانفزاء کا جوبن بھی اپنی بہار دکھانے کے لئے بیقرار ہورہا تھا۔

ان حالات میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دیگر تمام مشاغل اور مصروفیات سے خود کو آزاد کرکے اپنی ساری ذہنی وجسمانی توانائیاں اسلامیان پاکستان کے منتشر اجزاء کو ایک سلک مروارید میں جمع کرنے کے لئے وقف کردیں۔ مختلف مکاتیب فکر کے اعیان سے رابطے قائم کئے اور انہیں متحد ہوکر ایک پلیٹ فارم پر کام کرنے کی دعوت دی۔ ۲۹ مئی کو ربوہ کا سانحہ پیش آیا اس کے ٹھیک چار دن بعد ۳ جون کو راولپنڈی میں مسلمانوں کے تمام مسالک کے علماء کا ایک نمائندہ اجتماع منعقد ہوا، لیکن حکومت کی مداخلت کی وجہ سے انتظامیہ نے اس اجتماع کے بعض اہم مندوبین کو اس میں شرکت سے جبراً روک دیا تاہم اس اجتماع میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ ملک کی اہم دینی اور سیاسی جماعتوں سے فوراً رابطہ کرکے ۹ جون ۱۹۷۴ء کو لاہور میں ایک زبردست اجلاس منعقد کیا جائے۔

چنانچہ مذکورہ تاریخ کو لاہور میں ملک کی بیس متقدر دینی اور سیاسی جماعتوں کے مندوبین کا ایک ولولہ انگیز اجتماع ہوا۔ اس

عظیم الشان نمائندہ اجلاس کے سامنے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے اس اجتماع کے اغراض و مقاصد اور اس تحریک کے مستقبل کے لائحہ عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ذیل کے افتتاحی کلمات ارشاد فرمائے۔

"ہمارا یہ اجتماع اس وقت صرف ایک دینی عقیدہ کی حفاظت کے لئے ہے یہ اجتماع ختم نبوت کے مسئلہ پر ہے۔ اس کا دائرہ آخر تک محض دین رہیگا، سیاسی آمیزشوں سے اس کا دامن پاک رہے گا، جو سیاسی حضرات اس میں شامل ہیں ان کا مطمع نظر بھی دین ہی ہوگا اور نہایت پر امن ہوگا۔

ختم نبوت کی تحریک کا طریق کار نہایت پر امن ہوگا

اور اسے تشدد سے کوئی سروکار نہ ہوگا اگر کوئی مزاحمت ہوئی یا تکلیف پیش آئی تو ہمارے مدمقابل صرف مرزائی امت ہوگی۔ ہم حکومت کو یہ بتادینا چاہتے ہیں کہ اگر حکومت نے ان کی حفاظت یا انکی حمایت میں کوئی غلط قدم اٹھایا تو اس وقت مجلس عمل کوئی فیصلہ کریگی ابھی قبل از وقت کچھ کہنا مناسب نہیں۔

(بینات رمضان شوال ۱۳۹۷ھ)

اس اجتماع میں مختلف نمائندوں کی طرف سے بڑی پرجوش اور ولولہ انگیز تقاریر کی گئیں اور ہر جماعت کی طرف سے اس تحریک کو تکمیل کی آخری حد تک پہنچانے کے لئے بھرپور اور ہر قسم کی قربانی پیش کرنے کا مکمل یقین دلایا گیا۔

اس تحریک کے لئے مرتب کردہ لائحہ عمل کے خطوط پر اس تحریک کو چلانے کے لئے مجلس عمل کے نام سے مختلف دینی و سیاسی اکابر پر مشتمل ایک نمائندہ تنظیم تشکیل دی گئی باوجود شدید انکار و معذرت کے باصرار مجلس عمل کی قائدانہ ذمہ داریاں بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو تفویض کی گئیں۔

یہ وہ دور تھا جب مسٹر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم ملک کے ہمہ جہت مقتدر اعلیٰ تھے جو ایک عرصہ تک قادیانیوں کے سیاسی حلیف رہ چکے تھے اس لئے مجلس عمل کے قائدین کے لیے قادیانیوں کو حکومت کی طرف سے ایک غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا بڑا کٹھن اور مشکل معاملہ تھا۔ تاہم مجلس عمل نے توکلاعلی اللہ اپنے کام کا آغاز کیا مجلس کے اراکین نے وزیر اعظم سے فرداً فرداً ملاقاتیں کر کے انہیں امت مسلمہ کے موقف اور فتنہ قادیانیت کی سیاسی اور ملی شر انگیزیوں سے آگاہ کیا۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی وزیر اعظم سے ملاقات کی اور بڑے واضح صاف اور واشگاف الفاظ میں ملت اسلامیہ کا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے فرمایا

"قادیانی مسئلہ بلاشبہ پاکستان کے روز اوّل سے موجود ہے، پہلی غلطی اس وقت ہوئی جب ظفر اللہ قادیانی کو وزیر خارجہ مقرر کیا گیا شہید ملت خان لیاقت علی خان مرحوم کو اس خطرناک غلطی کا جب احساس ہوا۔ تو انہوں نے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کا عزم کرلیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ شہید کردئے گئے اور ہوسکتا ہے ان کا یہ عزم ہی ان کی شہادت کا سبب ہوا ہو۔ اس وقت جو جرأت مرزائیوں کو ہوئی ہے اگر اس وقت اس کا تدارک نہ کیا گیا اور وہ غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دئے گئے تو مسلمانوں کے جذبات بھڑکیں گے اور ان کی (قادیانیوں) جان و مال کی حفاظت حکومت کے لئے مشکل ہوجائے گی اقلیت قرار دیے جانے کے بعد اس ملک میں ان کی حیثیت ذمی کی ہوگی اور ان کی جان و مال کی حفاظت شرعی قانون کی رو سے مسلمانوں پر ضروری ہوگی اس طرح ملک میں امن قائم ہوجائیگا۔

میں مانتا ہوں آپ پر خارجی غیر اسلامی حکومتوں کا دباؤ ہوگا، لیکن اس کے بالمقابل ان اسلامی ممالک کا تقاضا بھی ہے کہ قادیانیوں کو جلد غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، جن ممالک سے ہمارے اسلامی تعلقات بھی ہیں اور ہر قسم کے مفادات بھی وابستہ ہیں۔ خارجی دنیا میں غیر اسلامی حکومتوں کی بجائے اسلامی مملکتوں کو مطمئن اور خوش کرنا زیادہ ضروری ہے۔

نیز ایک معمولی سی اقلیت کو خوش کرنے کے لئے اتنی بڑی اکثریت کو غیر مطمئن کرنا دانشمندی نہیں۔ اگر آپ حق تعالیٰ پر توکل واعتماد کر کے اللہ تعالی کی خوشنودی کے لئے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ فرمادیں تو دنیا کی کوئی طاقت آپ کا بال بیکا نہیں کرسکتی اور اس راستہ میں موت بھی سعادت ہے۔

(بینات رمضان وشوال ۱۳۷۴ھ)

مسٹر بھٹو ایک زیرک سیاستدان، ایک اعلیٰ منتظم اور علم سیاست کے ایک ماہر استاد تھے، وہ اس حقیقت کو بخوبی سمجھتے تھے کہ دنیا کے کسی دستور، آئین، ضابطہ قوانین، مذہب یا سیاسی مفکرین کے کسی نظریئے کی تعریف کے اعتبار سے قادیانیت اسلام یا کسی دوسرے مذہب کا حصہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مستقل دین اور اسلام سے علیحدہ ایک جداگانہ مذہب ہے۔ جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں علاوہ ازیں ملکی سیاسیات، اقتصادیات بیور کریسی اور فوج کے اعلیٰ مناصب قادیانیت کے پنجہ شیطانی میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ قادیانی جرنیلوں، اور مفکرین کی اسلام اور پاکستان کے خلاف معاندانہ شرانگیزیوں کی تاریخ بھی مسٹر بھٹو کو خوب یاد تھی۔ خود ان کا اپنا اقتدار بھی ان شیطانی قوتوں سے محفوظ نہ تھا وہ اس لعنت سے خود بھی چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔

لیکن وہ مغربی طاقتوں کے دباؤ اور خود رجعت پسندی کے الزامات سے بھی گھبراتے تھے۔ تاہم ملک کے سیاسی معاشی اور فوجی نظام میں ان کا اثر رسوخ اس قدر عمیق تھا کہ انہیں غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اتنا بڑا اقدام اٹھانے کا وہ حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ کسی ایسے وقت کے انتظار میں تھے جب حالات کی سازگاری آئینی اور قانونی لحاظ سے قادیانیوں کو کافر قرار دینے میں ممد و معاون صورت اختیار کر جائے۔

بہرحال مجلس عمل کے رہنماؤں نے مسٹر بھٹو کے سامنے ملت اسلامیہ کے موقف اور اسلامیان پاکستان کے بنیادی جذبات بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کردیے تھے اس کے ساتھ ہی انہوں نے ملک کے طول وعرض میں شمع رسالت کے پروانوں کو حکومت سے متصادم ہوئے بغیر نہایت پرامن انداز سے اپنے جذبات کے اظہار کی تحریک دی۔

اس سلسلہ میں انہوں نے ہر وہ پرامن راستہ اور طریقہ اختیار کیا جس سے مسلمانوں کے احتجاج کا اظہار ہوتا ہے مجلس کے اراکین نے ۱۴ نومبر کو پورے ملک میں مکمل ہڑتال کا اعلان کردیا۔ پاکستانی تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ اس تاریخ کو درہ خیبر سے لے کر بحر ہند کے ساحل تک اس قدر کامیاب اور مکمل ہڑتال ہوئی جس کی نظیر پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ شمع رسالت کے پروانوں کو مسلسل پرامن رہنے، صبر وسکون سے کام لینے اور تشدد وتصادم کے راستوں سے گریز کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ لیکن اس کے بالمقابل مسٹر بھٹو اقتدار کے نشے میں چور اہل اللہ کی اس جماعت کی آواز پر کان دھرنے کے لئے تیار نہ تھے حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جارہے تھے۔ عوامی جذبات کا حال یہ تھا کہ وہ ہر حالت میں جسد ملت

سے قادیانی ناسور کو علیحدہ کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور اس کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کا عزم کر چکے تھے ہمسٹر بھٹو نے اس عوامی سیلاب کے روکنے کے لئے ہر انتظامی حربہ آزمایا - پولیس کا بے دریغ استعمال کیا گیا، لاٹھیوں، ڈنڈوں اور سنگینوں سے مظلوم افراد کو بہیمیت کا نشانہ بنایا - ہزاروں علماء اور کارکنوں کو پابند سلاسل کردیا -

الغرض ایذارسانی کا ہر شیطانی حربہ اہل اسلام پر آزمایا گیا لیکن حریم رسالت کے کفن بردوش جان نثاروں کا سیلاب ان سے تھم نہ سکا دوسری طرف مجلس عمل کے مقتدر رہنما مفتی محمودؒ نے مسٹر بھٹو کے مجلس عمل سے مذاکرات کے انکار کے جواب میں وزیراعظم کو مخاطب کرکے فرمایا -

مسٹر بھٹو! آپ کو قوم کے ایک حلقہ نے منتخب کرکے بھیجا ہے، اس لئے آپ اسمبلی کے معزز رکن ہیں - میں بھی ایک حلقہ انتخاب کا نمائندہ بن کر اسمبلی میں آیا ہوں اس لئے میں بھی اس معزز ادارے کا رکن ہوں - مگر میں آنجناب کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجلس عمل کسی ایک حلقہ کی نمائندہ جماعت نہیں ہے - بلکہ وہ اس وقت پاکستان کے سات کروڑ مسلمانوں کی نمائندگی کر رہی ہے - کیسی عجیب منطق ہے کہ آپ ایک حلقہ انتخاب کے نمائندہ کو عزت واحترام کا مقام دینے کے لئے تیار ہیں، مگر قوم کے سات کروڑ عوام کی نمائندہ مجلس عمل کو آپ پائے حقارت سے ٹھکرا رہے ہیں - بہتر ہے میں ان سے جا کر کہہ دوں کہ وزیراعظم سات کروڑ عوام کی بات سننے کے لئے تیار نہیں "

مفتی محمود صاحب مرحوم کی طرف سے مسٹر بھٹو کے حضور یہ کوئی فریاد، التجا، یا فدویانہ عرض داشت نہ تھی، بلکہ یہ ایک شدید انتباہ تھا - دوسری طرف خیبر سے کراچی تک بپھرے ہوئے عوام کا سیل بیکراں اور اپنی انتظامیہ کی بے بسی کا وہ نظارہ کر چکے تھے - انہیں اپنا اقتدار جسے انہوں نے آدھا ملک گنوا کر بصد مکروفریب حاصل کیا تھا خس وخاشاک کی طرح بہتا ہوا نظر آرہا تھا وہ اندر سے شکست کھا چکا تھا، لیکن جھوٹی انا کا لبادہ اوڑھ کر محض گیدڑ بھبکیوں کے سہارے اقتدار پر قابض تھا -

چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے فیصلہ کن انتباہ نے اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا اور اس طرح ۷ ستمبر ۱۹۷۴ کو ۴ بجکر ۳۵ منٹ پر وزیراعظم نے مجلس عمل کے نمائندوں کے مجوزہ پر دستخط کرکے وہ تاریخ ساز فیصلہ کیا جس کی رو سے مرزائیت کی دونوں شاخیں (قادیانی اور لاہوری) اپنے خبیث بانی کا ماتم کرتی ہوئی دائرہ اسلام سے خارج ہو گئیں - اور پھر پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر اس مسودہ کو آئینی شکل دے دی گئی -

پارلیمنٹ کے آئین سازی کے اس عمل کی خبر جب ذرائع ابلاغ کی طرف سے نشر کی گئی تو جہاں ایک طرف ربوہ کے ایوانوں میں صف ماتم بچھ گئی، وہاں دوسری طرف پورے عالم اسلام میں خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی - اسلامیانِ پاکستان پر اس فرحت وانبساط نے وجد وکیف کی وہ حالت طاری کردی جس کا نظارہ چشم فلک نے کبھی نہ دیکھا ہوگا -

عامۃ المسلمین غایت مسرت میں ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے اور ایک دوسرے سے مبارک باد کا تبادلہ کر رہے تھے، شکرانے کے نوافل ادا کئے گئے، غرباء ومساکین میں کھانے تقسیم کئے گئے اور احباب کے مابین دعوتوں کا ایک وسیع سلسلہ چلا -

الغرض ہر مسلمان نے اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی حیثیت سے اپنے قلبی انبساط کا اظہار کیا، حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جن کو فتنہ

قادیانیت کے غم واندوہ نے اندر ہی اندر کھوکھلا کردیا تھا ،ان کی خوشی کا اندازہ کون کرسکتا تھا۔ چنانچہ آپ نے بصائر وعبر میں اپنی بیش بہا خوشی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستانی عوام بالخصوص اس تحریک کے جانباز کارکنوں ، رہنماؤں اور مخلصوں کو مبارک باد دی اور اس مقدس مشن کے لئے جدوجہد کرنے پر ان کا شکریہ ادا کیا۔

حق تعالیٰ جل شانہ نے ہمارے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے دین کی خدمت کا وہ عظیم الشان کام لیا جس کی نظیر ہمارے اسلاف کے حیرت انگیز کارناموں میں خال خال ہی ملتی ہے۔

فتنہ قادیانیت ملت اسلامیہ کی تاریخ کا وہ بدترین فتنہ تھا جس کے مسموم اثرات نے ہمارے اکابرین کو خون کے آنسو رلایا اور ان کے دلوں کو قاش قاش کرکے رکھدیا یہ ان خونناب آنکھوں زخمی دلوں اور مبتہل ومتضرع زبانوں کی حق تعالی کے حضور اپنی بے بسی وبیچارگی کی فریاد تھی۔ اللہ تعالی کی طرف سے جواب حضرت الشیخ البنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں دیا گیا۔

ہمارے شیخ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات وکرامات کی جو بارش ہوئی ہے الفاظ کو ان کے اظہار کا یارا نہیں ہے۔ انبیاء ورسل کے بعد ہر وہ اعلیٰ وارفع مقام جن پر نفوس قدسیہ کو فائز کیا جاتا ہے۔ یقینا ہمارے شیخ بھی ان سے نوازے گئے ہوں گے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی ایک کارنامہ ہزار قدسیوں کی صدسالہ عبادتوں پر بھاری ہے اور اگر خود حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قلم مستعار لے لیا جائے تو یہ کلمات عین بعین آپ ہی پر صادق آتے ہیں ۔

فهذا عندى ميزة كبرىٰ اكبر من سائر مزايا الشيخ رحمه الله وتفوق سائر مآثره السامية فلولم لشيخ حسنة غير بذه الحسنة العظيمة ومنقبة غير بذه المنقبة العالية لكفاه شرفاوفضلا ولكفاه شهادة انه كان ربانى بذه الامة بعهده فهذه منقبة زبراء من بين سائر مآثرة الخالدة تبقىٰ آثار با الجميلة فى قلوب اهل الحق وتتلالا لامئة على صفحات التاريخ الاسلامى على انقراض الدهور وانقضا ء العصور .

میرے نزدیک حضرت شیخ کا یہ عظیم الشان کارنامہ آپ کے تمام کمالات پر بھاری ہے اور آپ کے تمام مآثر سامیہ پر فائق تر ہے ۔ اگر ہمارے شیخ کے نامہ اعمال میں اس عظیم نیکی کے علاوہ کوئی اور نیکی اور اس فضیلت کے علاوہ کوئی اور فضیلت نہ بھی ہوتی تو بھی یہ آپ کے دائمی مآثر میں سب سے زیادہ تابناک فضیلت ہے جس کے آثار جمیلہ اہل حق کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہیں گے ۔ زمانے گزرتے رہیں گے اور حضرت شیخ کا یہ عظیم الشان کارنامہ تاریخ اسلامی کے صفحات پر جگمگاتا رہیگا۔

الفاظ وتعبیرات کی کوتاہ دامنی اور قلم وقرطاس کی محدود دنیا ان محاسن ومزایا اور محامد ومناقب کا احاطہ نہیں کرسکتی جو قسام ازل کی طرف سے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے حصے میں آئے آنے والی نسلیں اور زمانے اس احسان عظیم کا پورے اجلال سے تذکرہ کریں گے۔ جو آپ نے فتنہ قادیانیت کے استیصال کے لئے کی گئی مساعی جمیلہ اور جہود مشکورہ کے ذریعے ان کے کندھوں پر ڈال دیا ہے۔ یہ ایک ایسی مستحسن ، محبوب اور عظیم دینی خدمت ہے جس کے تذکرے عالم بالا میں ملاء اعلیٰ کی مجلسوں میں بھی ہوتے رہیں

گے۔

میں عالم تصور میں دیکھ رہا ہوں کہ اعلیٰ علیین میں ہمارے اکابر اور مجاہدین ختم نبوت کی ارواح ایک متشکل جماعت کی صورت میں جشن مسرت منارہی ہے۔ امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ مقام صدر نشینی پر جلوہ افروز ہلکے ہلکے تبسم کے ساتھ اپنی روحانی مسرت کا اظہار فرمارہے ہیں۔ اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے منور چہرے کے ساتھ اپنے نغموں اور زمزموں کے ساتھ اس مقدس محفل کو گرمارہے ہیں اور کنکھیوں کے ساتھ امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف دیکھ بھی رہے ہیں۔ پھر میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ اچانک اس نورانی محفل میں آنمودار ہوتے ہیں آپ پر نظر پڑتے ہی حضرت امام العصر غیر متوقع اور والہانہ طور پر جوش اور شفقت ورافت کے ساتھ اپنے اس نامور فرزند کے استقبال کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور آپ کے سر مبارک کو اپنے سینے سے لگا کر سر اور ماتھے پر محبت و تشکر کے آنسوؤں کی بارش کرتے ہیں۔ جماعت کے دوسرے اکابر کمال فخر ومباہات اور حیرت واستعجاب سے حضرت شیخ کے چہرہ روشن پر نظریں جمائے ہوئے ہیں۔

احقر قاصر علم وعمل کی دنیا کا ایک گدائے تہی دامن ہے۔ محض اپنے شیخ سے ایک نسبت تعلق ہے جس کے تقاضے پورے کرنیکی کبھی نوبت نہیں آئی۔ خدا شاہد ہے کہ متذکرہ سطور احقر کے عالم تصور کا ایک ناتمام خاکہ ہے، لیکن احقر کی خوشی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب اس نے بینات میں درج حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے منامی مبشرات کی اپنے اس تصوراتی خاکے سے ایک گونہ مماثلت دیکھی۔

ذیل میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے برکات وسعادات پر مشتمل دو منامات ومبشرات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جمعہ ۳ر رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ صبح کی نماز کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ

امام العصر حضرت انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ گویا سفر سے تشریف لائے ہیں اور خیر مقدم کے طور پر لوگوں کا بہت سا ہجوم ہے۔ لوگ مصافحہ کررہے ہیں۔ جب ہجوم ختم ہوگیا اور تنہا حضرت شیخ رہ گئے تو دیکھتا ہوں بہت وسیع چبوترہ ہے جیسے اسٹیج بناہوا ہے اس پر فرش ہے اور اوپر جیسے شامیانہ ہو بالکل درمیان میں حضرت شیخ تنہا تشریف فرماہیں دو تین سیڑھیاں چڑھ کر ملاقات کے لئے پہنچا۔ حضرت شیخ اٹھے اور گلے لگایا میں ان کی اس ریش مبارک اور چہرہ مبارک کو بوسہ دے رہا ہوں، حضرت میری داڑھی اور چہرے کو بوسہ دیتے ہیں دیر تک یہ ہوتا رہا۔ چہرہ وبدن کی تندرستی زندگی کے آخری ایام سے بہت زیادہ ہے، بے حد خوش اور مسرور ہوئے۔

بعد ازاں میں دوزانو ہو کر فاصلہ سے ادب بیٹھ گیا اور آپ سے باتیں کررہا ہوں اسی سلسلہ میں یہ بھی عرض کیا کہ بھول گیا کہ معارف السنن حاضر کرتا فرمایا میں نے نہایت خوشی اور مسرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کیا ہے۔ اب چھٹی جلد کا مطالعہ کررہا ہوں میں نے عرض کیا کہ میرے پاس تو علم نہیں جو کچھ آپ نے فرمایا اس کی تشریح وتوضیح وخدمت ہے بہت مسرت کے لہجے میں فرمایا

"بہت عمدہ ہے"

شوال ۱۳۹۴ھ میں لندن کے قیام کے دوران خواب دیکھا کہ ایک بہت وسیع مکان ہے گویا ختم نبوت کا دفتر ہے بہت سے لوگوں کا مجمع ہے۔ میں ایک طرف جا کر سفید چادر جس طرح کہ احرام کی چادر ہو باندھ رہا ہوں، بدن کا اوپر کا حصہ برہنہ ہے، کوئی چادر یا کپڑا نہیں اتنے میں حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی ایسی ہیئت میں کہ احرام والی سفید چادر کی لنگی باندھی ہوئی ہے اور اوپر کا بدن مبارک بغیر کپڑے کے ہے، میرے داھنے کندھے کی طرف تشریف لائے آتے ہی مجھ سے چمٹ گئے پہلا جملہ ارشاد فرمایا "واہ میرے پھول" پھر دیر تک معانقہ فرمایا میں خواب ہی کی حالت میں خیال کرتا ہوں کہ مبارک باد دینے کے لئے تشریف لائے ہیں۔

منامات کی حیثیت مبشرات کی ہے اس سے زیادہ ان کی کوئی زیادہ شرعی حیثیت نہیں ہے۔

بہرحال قادیانی ناسور کے علاج سے نہ صرف زندہ بزرگوں کو مسرت ہوئی۔ بلکہ جو حضرات دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں معلوم ہوتا ہے انہیں بھی اس سے بیحد و بے پایاں خوشی ہوئی ہوگی فالحمدللہ

(بینات ذیقعدہ ۱۳۹۴ھ)

معلوم نہیں اس سلسلہ مبشرات و کرامات کی کتنی کڑیاں ہونگی جنہیں حضرت شیخ نے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ حق تعالیٰ کے ظاہری انعامات میں سے ایک وہ احترام و عقیدت ہے جس کا اظہار زندہ اکابرین سے بعض نے تحریر اور اکثر نے تقریر کے ذریعے آپ سے کیا ذیل میں چند تحریروں کو نقل کیا جاتا ہے۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ آپ کی خدمت میں ہدیہ اکرام و تحسین پیش فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ کو اس عظیم الشان کامیابی پر آپ کے اسلاف کے ایک ادنیٰ نیازمند کی حیثیت سے مخلصانہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ جس کے متعلق بدیع الزمان الھمدانی کے یہ الفاظ بالکل صادق ہیں۔

"فتح فاق الفتوح وآمنت علیہ الملائکۃ والروح اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے اس کارنامہ سے آپ کے جد امجد حضرت سید آدم بنوری اور ان کے شیخ حضرت امام ربانی اور آپ کے استاذ مربی حضرت سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روح ضرور مسرور مبتہج ہوگی اور اس کی بھی امید ہے کہ روح مبارک نبوی (علیہا الف الف سلام) کو بھی مسرت حاصل ہوئی ہوگی ہنیا لکم وطوبیٰ "اگر میری ملاقات ہوئی تو میں آپ کے دست مبارک کو بوسہ دے کر اپنے جذبات کا اظہار ضرور کرونگا۔

آپ کے ایک شامی دوست الشیخ محمود الحافظ مکی نے آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ میں نے ۳ شعبان ۱۳۹۴ھ کو آپ کے بارے میں بہت عمدہ اور مبارک خواب دیکھا جس میں آپ کو مبارک دینا چاہتا ہوں۔

اور اس کو اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں

میں نے آپ کو شیوخ کی جماعت کے ساتھ دیکھا ہے جو سن رسیدہ تھے اور جن پر صلاح و تقویٰ کی علامات نمایاں تھیں یہ سب حضرات اس قرآن کریم کے صفحات جمع کرنے میں مصروف تھے جو آنجناب نے زعفرانی رنگ کی روشنائی سے بدست خود کتابت

فرمایا ہے۔ اور آنجناب کا قصد ہے کہ اسے لوگوں کے فائدہ عام کے لئے شائع کیا جائے آپ نے اس ارادے کا اظہار نہایت مسرت وشادمانی کے ساتھ میری جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

صبح جب نماز فجر کے لئے اٹھا تو قلب فرحت سے لبریز تھا اور میں یقین رکھتا ہوں کہ آپ کے اعمال کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی وکامرانی کا تاج پہنایا ہے۔ فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

حسن صورت وحسن معنی کا پیکر عظیم

حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ جلیلہ اور خدمات عالیہ کا احاطہ قلم وقرطاس کے حیطۂ امکان سے باہر ہے آپ کی ذات مبارک کا ایک ایک پہلو اس قدر شاندار، وسیع، پروقار اور پروجاہت ہے کہ تنہا ایک شخص کے لیے آپ کی اعلیٰ سیرت اور عظمت کردار کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے، آپ کے محاسن ومزایا، فضائل وشمائل، مناقب ومحامد خصائص ومشاعر اور جواہر وکمالات کا بحر بیکراں اس قدر بسیط وغیر محیط ہے کہ ان کا عشر عشیر بھی ضبط تحریر میں لانا آفتاب جہاں کی شعاعوں کو شمار کرنے کے مترادف ہے اجتماع العالم فی واحد" اگر مستنکر نہیں ہے تو پھر آپ کی ذات گرامی اس کی صحیح صحیح مصداق تھی سیرت وکردار کے اس کوہ بلند قامت پر جب نظر پڑتی ہے تو اس کے ایک ایک ذرے کی جگمگاہٹ اور تابانی آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے۔

یکاد البرق یخطف ابصارہم۔

لیکن یہ برق سالکان راہ خدا کے لیے انوار وتجلیات اور زائفین وملحدین کے لیے ظلمت فوق ظلمت کا کام کرتی ہے۔

ان سطور کے راقم آثم کو بھی چند سال حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کی کفش برداری کا شرف حاصل رہا ہے آج جب اس عشق ودیوانگی اور عقیدت وشیفتگی کا سرور وابتہاج یاد آتا ہے تو

بلغت القلوب الحناجر اورسم الافاعی اعذب ماء اتجرع کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے اس مختصر دور شرف وسعادت میں حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اسوہ حسنہ کی جو اعلیٰ مثالیں مشاہدہ کیں انہیں میں قرآن کریم:

("فاوحی الی عبدہ ما اوحی") کا سہارا لے کر مختصراً صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ فشاہدت من مزایا الشیخ ماشاہدت

میں آپ کے کس کس وصف محمود اور کمال حمیدہ کا ذکر کروں میں وہ سلیقہ اظہار کہاں سے لاؤں جس سے آپ کے ہر شیمہ مبارکہ اور عادت طیبہ کی ترجمانی ہوسکے آپ کے کس کس شرف ومنقبت کی عکاسی کروں۔ آپ کی عفت وعصمت اور حلم وحیا کی بات کروں تو حضرت عثمان غنیؓ کا چہرہ سامنے آجاتا ہے۔ آپ کے صبر واستقامت پر نظر دوڑاتا ہوں تو اس میں صبر ایوب کی جھلک نظر آتی ہے۔ سیرت باطنی کا تصور کروں تو آنکھوں کے سامنے حضرت یحییٰ علیہ السلام قیام فرما ہوتے ہیں۔ آپ کی مہمان نوازی میں شان ابراھیمی کا عکس نظر آتا ہے۔ حسن وجمال کے ظاہری پیکر کا نظارہ کرتا ہوں تو آنکھوں میں شیخ کنعان علیہ السلام کی روشنی آجاتی ہے۔ طلاقت لسانی کی فصاحت وبلاغت کانوں میں سحباں کی ساحرانہ حلاوت گھولتی ہے۔ شہوار قلم کی ترکتازیاں باقلانی کی یاد دلاتی ہیں۔ علوم ومعارف اور

حقائق ودقائق پر گفتگو ہوتی ہے تو لگتا ہے جیسے عالم بالا سے معقتانہ نکات کا نزول ہو رہا ہے۔ تہور ومردانگی اور شجاعت وبسالت فاروق اعظم کے انداز اپنائے ہوئے ہے۔ زائغین اور فتنہ پردازوں کے خلاف جہاد وپیکار کا جذبہ سنت صدیقی سے مقتبس تھا۔ ظاہری حسن وجمال اور باطنی محاسن وکمالات کے اس پیکر اعظم کے لیے ایسا شاید ابن الفزاری نے کہا تھا:

کان الثریا علقت فی جبینہ
وفی خدہ الشعری وفی وجہہ القمر

الغرض آپ کی ذات علم وعرفان کا ایک چمنستان ہزار رنگ تھی۔ جس کا ہر پھول اہل نظر کو تازگی اور اہل قلوب کو فرحت وبہجت بخشتا ہے انہی گلہائے رنگا رنگ کے حسن وبہار کی ہلکی سی جھلک پیش کرنیکی ذیل میں ایک سعی ناتمام کی جاتی ہے۔

تو پھر اس میں اعلیٰ ایمان وایقان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت، محبت، خشیت اور اطاعت کے پھول بھی تھے۔ اور شدید محبت وعشق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی احترام اور اتباع سنت کے پھول بھی تھے۔ اونچے تقویٰ واخلاص کے ساتھ حسن عبادت حسن خلق اور حسن عمل کے پھول بھی تھے۔ اور اسلامی تعلیمات کے مطابق حسن معاشرت، حسن خلق، اور حسن عمل کے پھول بھی تھے۔

پاکیزہ ذوق کے ساتھ حسن نظافت، حسن نفاست، اور حسن لطافت کے پھول بھی تھے۔ اور فطری انداز میں خندہ جبینی، شگفتہ روئی اور خوش مزاجی کے پھول بھی تھے، دینی جذبہ کے تحت دیانت، امانت، شجاعت اور سخاوت کے پھول بھی تھے۔ اظہار حق کی خاطر حق گوئی صداقت واستقلال واستقامت کے پھول بھی تھے اور اعلیٰ درجے کی عفت وپاکبازی اور نجابت اور شرافت کے پھول بھی تھے اور غیر معمولی شرم وحیا، غیرت اور خوداری کے پھول بھی تھے، سنجیدگی اعلیٰ وقار متانت اور وجاہت کے پھول بھی تھے۔ اور مسرت بخش ظرافت، حسن مزاح اور خوش طبعی کے پھول بھی اور دوستوں سے دلنوازی اور محسنوں سے صلہ رحمی اور مسکینوں سے ہمدردی کے پھول بھی تھے۔ چھوٹوں پر شفقت ومہربانی اور بڑوں کی توقیر کے پھول بھی تھے۔ اور خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے خلق خدا کی خیر خواہی نفع رسانی کے پھول بھی تھے۔ صوفیان باصفاء اہل اللہ حضرات سے قلبی محبت اور اصحاب کشف وکرامت سے گہری عقیدت کے پھول بھی تھے۔ اور رقت قلب، سوز وگداز، آہ وبکاہ اور وجد وحال کے پھول بھی تھے۔ وسیع اور راسخ علم کے ساتھ اشاعت اور تعلیم وتدریس کے پھول بھی تھے اور عقل ودانش کے ساتھ غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور تیغتظ کے پھول بھی تھے۔ بہترین حافظہ کے ساتھ وسیع مطالعہ، غور وفکر، اور استحضار کے پھول بھی تھے، اور موثر خطابت، دلکش تحریر، مہارت تصنیف وتالیف اور حکیمانہ دعوت وارشاد کے پھول بھی تھے پھر جس طرح پھولوں میں قسم قسم اور رنگا رنگ بہ نسبت رنگینی، رعنائی اور جاذبیت زیادہ ہوتی ہے اسی طرح حضرت الشیخ البنوری رحمۃ اللہ کی شخصیت میں جو اوصاف ومحاسن اور جو فضائل وکمالات مجتمع تھے ان میں سب سے نکھرا ہوا اجاگر اور نمایاں وصف علم کا وصف تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ علم کا مولانا بنوری قدس سرہ العزیز سے تعلق غیریت کا نہیں تھا عینیت کا تھا۔ مولانا عالم نہ تھے سراپا علم تھے علم آپ کی ذات میں ایسا رچا بسا ہوا تھا جیسے پھول کے اندر رنگ یا جیسے ہیرے کے اندر چمک دمک۔ علم آپ کی ہر ہر ادا ہر ہر

نقل وحرکت سے جھلکتا تھا - آپ علم کا ایک بلند وبالا پہاڑ اور بحر ناپید اکنار تھے - ایک سلیم العقل حقیقت شناس اجنبی جب آپ کو دیکھتا تو اس کا دل بول اٹھتا کہ یہ ضرور عالم دین ہیں ---- انتہیٰ

(بینات کا بنوری نمبر ۴۰ از مولانا محمد طاسین صاحب)

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف یہ کہ ظاہری حسن وجمال کا مرقع تھے بلکہ وہ اعلیٰ درجے کا جمالیاتی ذوق بھی رکھتے تھے حسن، قرینہ سلیقہ اور توازن وتناسب جس شے میں بھی دیکھتے بے اختیار اس کی داد دیتے اپنے مزاج کی لطافت، نفاست، نزاکت اور نظافت کی وجہ سے آپ کے گرامی مرتبت والد آپ کو مرزا مظہر جانِ جاناں کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے - مولانا محمد طاسین صاحب نے آپ کے اس ذوق لطیف کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے - بینات کے بنوری نمبر صفحہ نمبر ۴۲۵-۲۶-۲۷ میں رقمطراز ہیں -

حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ کی زندگی کا جمالیاتی پہلو بھی نہایت روشن، درخشاں اور دلکش تھا- آپ کی ہر ہر ادا اور نقل وحرکت میں حسن وجمال کی چمک اور نظافت ونفاست کی جھلک تھی گویا آپ اس صفت الٰہی کا مظہر تھے، جس کا حدیث نبوی ﷺ " **ان اللہ جمیل ویحب الجمال** " میں ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو جہاں ظاہری و باطنی وافر حسن وجمال سے آراستہ ومزین فرمایا تھا - وہاں انہیں حسن وجمال کا پاکیزہ اور اعلیٰ ذوق اور قوی احساس بھی مرحمت فرمایا تھا-

چنانچہ اس کا اظہار وانکشاف آپ کی صورت وشکل، وضع وقطع، رفتار وگفتار، نشست وبرخاست نیز آپ کے لباس پوشاک، خورد ونوش، میل ملاپ، لین دین، تعلیم وتعلم، اور نظم وضبط وغیرہ، ہر چیز سے ہوتا تھا لہذا آپ کے اندر ایک شان محبوبیت تھی جو سلیم الفطرت انسان آپ سے ملتا آپ کی مجلس میں بیٹھتا گفتگو سنتا اور کچھ کھاتا پیتا، ضرور فریفتہ اور گرویدہ ہوجاتا اور آپ کی نورانی شخصیت کا اس کے دل ودماغ پر ضرور اثر پڑتا ناممکن تھا کہ کوئی شخص اخلاص کے ساتھ آپ سے ملے اور پھر آپ کے حسن اخلاق سے متاثر نہ ہو بلکہ بعض دفعہ صرف آپ کو دیکھنے ہی سے دل ودماغ پر نہایت خوشگوار اثر مرتب ہوتا اور آدمی مرعوب ہوجاتا تھا-

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا قدس سرہ العزیز ہمارے ہاں مجلس علمی میں تشریف لائے اس وقت لائبریری میں جو لوگ مطالعہ کر رہے تھے ان میں ایک صاحب ڈاکٹر الطاف جاوید بھی تھے، جو غیر معمولی ذہانت کے ساتھ اس وقت اشتراکی ذہن رکھتے تھے بعد میں نہایت متشرع صوفی بن گئے - حضرت مولانا تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد اندر گھر تشریف لے گئے - ڈاکٹر موصوف نے مجھ سے پوچھا کہ یہ حضرت کون تھے؟ میں نے بتلایا تو کہنے لگے جب دروازہ سے داخل ہو رہے تھے مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان کے ساتھ نورانی صورتوں کی ایک جماعت ہے لہذا میرا دل انہیں دیکھ کر بہت متاثر بلکہ مرعوب ہوا ہے-

حسن وجمال سے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایسا طبعی لگاؤ تھا کہ جس چیز میں بھی حسن وجمال دیکھتے اس سے ضرور متاثر اور خوش ہوتے اور اسے ضرور خراج تحسین پیش فرماتے -

عام ہے کہ خواہ وہ چیز قدرتی مناظر میں سے ہوتی جیسے کوئی حسین وادی پہاڑ، جھیل، دریا، آبشار وغیرہ یا کسی خوبصورت پتھر

، پھول پھل پرندے اور چرندے کی شکل میں ہوتی ، کسی مصنوعی حوض ، باغ ، کھیت سڑک اور عمارت کی شکل میں ہوتی یا قالین فرنیچر برتن ، کپڑے اور لکڑی ، قلم وغیرہ کی شکل میں ہوتی ۔ کھانے پینے سونگھنے کی چیز ہوتی یا پہننے پوشنے ، لکھنے یا پڑھنے کی کوئی چیز ہوتی ، کوئی اچھی گفتگو اور تقریر ہوتی یا عمدہ کتاب اور تحریر کی ہوتی کوئی نئی عبارت یا شعری نظم ہوتی کوئی علمی بحث و تحقیق ہوئی یا فکری کد وکاوش ہوتی شاعرانہ تخیل آرائی ہوتی یا عالمانہ نکتہ آفرینی ہوتی کوئی اچھی عادت و خصلت ہوتی یا عمدہ ذہانت وذکاوت ہوتی معصوم بچوں کی ادائیں ہوتیں یا بزرگوں کی کریمانہ شفقتیں ہوتیں ۔

غرضیکہ جس چیز میں بھی حسن وجمال تناسب و توازن اور نفاست ولطافت دیکھتے متاثر ہو کر داد تحسین دیتے اور مسرت کا اظہار کرتے ۔

اسی طرح جب کسی چیز میں بے ڈھنگا پن ، بد نظمی ، بے ترتیبی اور بگاڑ دیکھتے تو اس سے آپ کو ذہنی کوفت ہوتی اور سخت اذیت پہنچتی ۔ پھر جب تک اس پر تنقید کر کے بھڑاس نہ نکال لیتے چین نہ ہوتا ، بڑے آغا جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دوسرے مظہر جان جاناں ہیں جو لطافت طبع نزاکت مزاج اور ذوق جمال میں ممتاز اور منفرد تھے ۔

جب حسن اتفاق سے قریبی اور بے تکلف دوست جمع ہوجاتے اور چائے کا خاص اہتمام ہوتا تو عمدہ ظروف اور بہترین پتی ، خالص دودھ اور نفیس بسکٹ وغیرہ سے تواضع کی جاتی ۔ خاص طریقہ سے دسترخوان بچھایا جاتا ۔ اس پر نہایت قرینے سے برتن چنے جاتے پیالیوں میں شکر اور پھر چائے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ڈالی جاتی ، اور پھر چمچہ ہلانے میں خاص نزاکت کا خیال رکھا جاتا ، کئی بار ایسا ہوا میں نے بڑی احتیاط سے چمچ ہلانے کی کوشش کی لیکن اس کے باوجود گرفت اور تحمیق ہو گئی اور سب کے سامنے پیاری ڈانٹ پڑی اور ہنسی خوشی کا سامان فراہم ہو گیا ۔

ہمارے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ گو درویش صفت بادشاہ نہ تھے لیکن بادشاہ صفت درویش ضرور تھے ۔ مانا کہ انہیں تاج و تخت نصیب نہیں ہوا لیکن اس دل و دماغ سے کون انکار کرسکتا ہے جو تاج و تخت کے لیے باعث فخر وناز ہوتا ہے اور پھر وہ اقلیم علم کے ضرور بادشاہ تھے ۔ ان کا علمی جاہ وجلال کسی طرح اس جاہ وجلال سے کم نہ تھا جو سیاسی بادشاہوں کو حاصل ہوتا ہے انتہیٰ

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ بسالت وشہامت اور عزیمت و عالی حوصلگی کی ہزار داستان اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے زمانہ اس امر پر شاہد ہے کہ حالات کی ناموافقت جسمانی ضعف و اضمحلال اور عوارض کی کثرت کے باوجود ایوب خان کی قوس لمن الملک الیوم کی صدائے بھیانک اور مسٹر بھٹو کے جبروت کی موجودگی میں آپ نے احقاق حق اور دفع باطل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا ذیل کے ان دو مختصر واقعات سے آپ کے مجاہدانہ کردار کا ہلکا سا خاکہ سامنے آتا ہے

(اول) ۱۹۷۴ء میں جب تحریک ختم نبوت عروج پر تھی ملک کا ہر کلمہ گو دامے سخنے اور عملے اس میں شریک تھا ۔ پوری قوم سراپا احتجاج واشتعال بنی ہوئی تھی دینی مدارس کے اساتذہ اور طلبہ اس میں اپنا بھرپور رول ادا کرنے کے لیے بے چین تھے اپنے احتجاجی عواطف کے اظہار کے لیے جلسے جلوسوں کا انعقاد ہورہا تھا ایسے ہی ایک جلسے سے اساتذہ اور طلبہ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ ضرورت پڑی تو سب سے پہلے بنوری گردن کٹوائے گا پھر آپ حضرات کی باری آئیگی ۔

آپ کے قلبی الم و کرب اور وفدا کارانہ جذبات کو بیان کرتے ہوئے مولانا محمد یوسف لدھیانوی رقمطراز ہیں

ان دنوں حضرت پر سوز و گداز کی جو کیفیت طاری رہتی تھی وہ الفاظ کے جامہ تنگ میں نہیں سما سکتی تحریک کے آخری دنوں میں حضرت نے کراچی سے ملتان لاہور ، راولپنڈی اور پشاور تک کا سفر کیا اس کی یاد کبھی نہ بھولے گی کراچی سے روانہ ہوئے تو حضرت پر بے حد رقت طاری تھی اور جناب مفتی ولی حسن صاحب سے فرما رہے تھے

مفتی صاحب! دعا کیجئے حق تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے میں کفن ساتھ لیے جارہا ہوں

مسئلہ حل ہوگیا تو الحمدللہ ورنہ شاید بنوری زندہ واپس نہ آئے ، حق تعالیٰ نے آپ کے سوز دوروں کی لاج رکھ لی اور قادیانی ناسور کو جسد ملت سے کاٹ کر جدا کردیا گیا

(ماہنامہ بینات ذوالحجہ ۱۳۹۷ھ)

(دوم) ۱۹۷۷ کی مشہور عالم تحریک نظام مصطفیٰ ﷺ کے دوران ملک کے ہر طبقہ اور مسلک کے افراد کا جوش وھیجان سراپا طوفان بنا ہوا تھا - خاص کر دینی مدارس کے طلبہ اس مبارک راہ میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے کے لیے بے چین تھے - حضرت شیخ طلبہ کے ان جذبات سے واقف تھے - لیکن آپ کی دور اندیش نگاہیں ان خطرات کو دیکھ رہیں تھیں جو آنے والے دور کے دنوں میں رونما ہونے والے تھے - حضرت شیخ نے اس تحریک میں طلبہ کی شرکت کو قبل از وقت اور ان کی تعلیم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کے احتمال کا ادراک کرتے ہوئے اس نازک موقع پر ارشاد فرمایا

ہم اس وقت پاکستان کے حالات جس نازک دور سے گزر رہے ہیں وہ کسی سے مخفی نہیں ہم حالات کا بنظر غائر جائزہ لے رہے ہیں اور ہمیں حالات کی نزاکت کا احساس ہے - بعض طلبہ تحریک میں شرکت کے لیے بے تاب ہیں لیکن میری ہدایت ہے کہ آپ فی الحال صبر سے کام لیں ابھی تحریک ہمارے بغیر بھی چل رہی ہے اگر ہماری ضرورت پڑی تو مدرسہ کو تالا لگا کر ہم بھی میدان میں نکلیں گے لیکن اس طرح نہیں کہ فحش گالیاں بکیں گاڑیوں پر سنگ باری کریں اور عمارتوں کو آگ لگائیں -

نہیں بلکہ ہم علمی اور اسلامی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے وقار اور سنجیدگی سے نکلیں گے بہر حال وقت کا انتظار کرو! تعلیمی ضیاع نہ کرو تکرار اور مطالعہ میں مشغول رہو! اللہ کے کرم سے ہم بزدل نہیں ہمارے دل میں بھی اسلامی محبت اور جذبہ ہے اگر مفتی محمود صاحب پاؤں زخمی ہونے کے باوجود تحریک میں حصہ لے سکتے ہیں تو لنگڑا بنوری (حضرت کی وجع المفاصل کی تکلیف) بھی ان سے پیچھے نہ رہے گا ، وقت آنے پر آپ دیکھیں گے کہ بنوری کے ہاتھ میں جھنڈا ہوگا اساتذہ تمہارے ساتھ ہوں گے اور تم ہمارے پیچھے ہوگے اس کے بعد انتہائی جوش کے عالم میں یہ شعر پڑھا

فلسنا على الاعقاب تدمى كلومنا
ولكن على اقدامنا تقطر الدماء

گویا شیخ سعدی کی زبان میں ارشاد فرمایا:

آں نہ من باشم کہ روز میدان بینی پشت من

منہم آں کہ میان خاک دخوں بینی سری

نفس مطمئنہ کا رجوع الی اللہ

مرحوم صدر ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ کو جب مارشل لاء کے ذریعے مسٹر بھٹو کی جابرانہ حکومت کی بساط لپیٹ کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو انہوں نے اسلامی مشاورتی کونسل کی از سر نو تشکیل کی اور ایسے افراد شامل کئے جو مختلف جدید وقدیم علوم میں ماہرانہ رسوخ رکھتے تھے مرحوم صدر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی عبقری صلاحیتوں سے واقف تھے۔

چنانچہ انہوں نے آپ سے کونسل کے مشاورتی امور کی علمی رہنمائی کے لئے کونسل کی رکنیت اختیار کرنیکی درخواست کی جسے آپ نے دین کی خیر خواہی کے جذبے کے تحت قبول فرمایا اور باقاعدہ اس کے منعقدہ اجلاس میں شرکت فرماتے رہے۔

کونسل کا ایک پہلا اجلاس ۱۳ اکتوبر سے ۱۵ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو منعقد ہو رہا تھا جس میں شرکت کے لئے آپ نے ۱۳ اکتوبر کی صبح کو اسلام آباد کے لئے رخت سفر باندھا تھا اس سفر میں آپ کی معیت میں آپ کے صاحبزادہ اکبر عزیز محمد بنوری سلمہ اور مولانا محمد تقی عثمانی بھی شامل تھے۔ایک گھنٹہ تیس منٹ کی پرواز کے بعد یہ حضرات صبح دس بجے اسلام آباد ائیر پورٹ پر نزول فرما ہوئے۔

چونکہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سرکاری مندوب کی حیثیت سے تشریف لائے تھے اس لئے حکومت کا ایک نمائندہ آپ کو لینے کے لیے ایرپورٹ موجود تھا نجی طور پر آپ کا استقبال کرنے والوں میں حکومت پنجاب کے سابق صوبائی وزیر مولانا قاری سعید الرحمان اور ان کے ایک دوست پیر عبد القیوم شاہ صاحب بھی شامل تھے حضرت شیخ نے ان دونوں حضرات کو اپنی گاڑی میں بٹھایا اور سرکاری نمائندے کو دوسری گاڑی دے کر رخصت کر دیا۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ جب اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوئے تو اس کے خوبصورت مناظر، حسن وجمال، وسیع شاہرات اور پرسکون عمارتوں کو دیکھ کر آپ کا جمالاتی ذوق پھڑک اٹھا اور دیر تک اس کے حسن وزیبائش کی تحسین فرماتے رہے۔آپ کے قیام کے لئے حکومت کی طرف سے ایم-این-اے ہاسٹل کا کمرہ نمبر ۳ مختص کیا گیا تھا جب آپ کمرے میں داخل ہوئے تو کمرے کی محتویات کے سلیقے قرینے اور حسن ترتیب سے موجودگی دیکھ کر حد درجہ مسرت وابتہاج کا اظہار فرمایا۔چند ساعت کے ضروری حوائج سے فراغت کے بعد آپ اسلامی مشاورتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

دو بجے کے قریب واپسی ہوئی؛ ظہر کی نماز ادا فرمائی کچھ دیر قیلولہ فرمایا قریبا چار بجے بیدار ہوئے، وضو کر کے عصر کی نماز ادا کی راولپنڈی سے کچھ احباب ملاقات کی غرض سے آئے ہوئے تھے ان سے ملاقات کی چائے نوش فرمائی اور پانچ بجے کونسل کی شام کی

نشست کے لئے تشریف لے گئے۔ رات کو نو بجے واپس ہوئے۔ عشاء کی نماز پڑھائی اور کھانا تناول فرمایا، حسب معمول کچھ دیر آپ نے مطالعہ فرمایا۔ رات کو گیارہ بجے کے قریب مفتی محمود صاحب کا فون آیا فون پر دیر تک دونوں حضرات کا سلسلہ گفتگو جاری رہا۔ مفتی محمود صاحب کو اگلے روز مصر کے بعد دورے پر جانا تھا۔ وہ قاہرہ کی بعض نامور شخصیات کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے معلومات اور ہدایات لینا چاہتے تھے۔

۱۴ اکتوبر جمعتہ المبارک کی صبح آپ نے نماز فجر کے بعد اپنے روزمرہ کے ضروری اوراد و وظائف سے فراغت کے بعد اپنے لخت جگر سید محمد بنوری کی معیت میں ناشتہ فرمایا اور قریب سوا نو بجے کونسل میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ کونسل کا یہ اجلاس تقریباً ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا اجلاس سے واپسی پر آپ نے جمعہ کی نماز اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد میں ادا فرمائی اس مسجد کی امامت وخطابت کے فرائض آپ کے تلمیذ رشید مولانا محمد عبد اللہ صاحب گذشتہ پچیس سال سے ادا کر رہے ہیں۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روز عزیز محمد بنوری کو جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی میں جمعہ کی ادائیگی اور مولانا مفتی محمود صاحب سے ملاقات نہ کرسکنے کی معذرت کے لئے بھیج دیا تھا۔ کونسل کی دوسری نشست میں بھی حضرت نے شرکت فرمائی یہ اجلاس کافی طویل ہو گیا اور قریب دس بجے حضرت کی واپسی ہوئی حضرت جب اپنی قیام گاہ میں واپس تشریف لائے تو سید محمد بنوری اور قاری محمد سعید الرحمان صاحب حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی پسندیدہ ڈش کڑاہی گوشت بنوا کر راولپنڈی سے لائے تھے اور کھانے کے لئے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ فیصل آباد سے مفتی زین العابدین صاحب بھی آپ سے بغرض ملاقات آپ کے منتظر تھے۔

چنانچہ آپ نے محترم مفتی صاحب سے تخلیہ میں چند منٹ ضروری گفتگو فرمائی اور انہیں رخصت فرمایا آپ سے پوچھا گیا کہ حضرت پہلے نماز یا طعام؟ ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے بعد جب میں ہاسٹل واپس آیا تو شریک طعام کوئی نہ مل سکا اس لئے بھوک نے اپنا تقاضا ظاہر نہ کیا اب کھانے کی طلب بڑھی ہے اس لئے پہلے کھانا کھائیں گے اور پھر اطمینان سے نماز پڑھیں گے پھر حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ماحضر بڑے شوق سے تناول فرمایا پھر کچھ دیر گفتگو فرماتے رہے آپ کو بعض امور کے بارے میں بڑی تشویش تھی اس سلسلہ میں مرحوم صدر ضیاء الحق سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

آپ نے قاری محمد سعید الرحمان صاحب سے فرمایا کہ کل صدر مملکت سے رابطہ قائم کرکے ملاقات کا کوئی وقت لے لیں تو بہت اچھا ہے۔ قاری صاحب موصوف اس کام کی حامی بھرنے کے بعد رات گیارہ بجے آپ سے رخصت ہو کر واپس راولپنڈی اپنے مدرسے میں چلے گئے۔ اس طرح رات کو گیارہ بجے کے قریب آپ آرام فرمانے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔

۱۵ اکتوبر ہفتہ کی صبح تہجد کے لئے حسب معمول اٹھے اور نوافل ادا کئے۔ اس کے بعد چائے کا دور چلا پھر نماز فجر کی امامت فرمائی نماز کے بعد راولپنڈی سے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم، مولانا عبدالستار صاحب قاری محمد امین صاحب اور حاجی محمود صاحب حضرت سے ملاقات کی غرض سے آئے حاجی محمود صاحب اپنے گھر سے حضرت کے لئے ناشتہ بنوا کر ساتھ لے گئے تھے ان سب حضرات نے مل کر ناشتہ کیا۔ ناشتہ کے بعد کچھ دیر تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا پھر آپ نے ان احباب سے معذرت کی اور قریب اپنے کمرے میں تشریف لے گئے سوا نو بجے کے قریب حضرت شیخ حوائج ضروریہ سے فراغت کے بعد بیت الخلاء سے واپس آئے

دیکھا تو چہرے پر درد کی شدت کے اثرات اور ہاتھ میں تناؤ کی کیفیت ہے فرمایا :

محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی میرا گلا دبا رہا ہے ۔

حضرت بار بار اپنے دونوں ہاتھوں سے گلے کو پکڑ کر اپنی تکلیف کی شدت کا بے اختیار اظہار فرما رہے تھے ۔ آپ کے ایک تلمیذ مولوی حسین علی صاحب نے آپ کے گلے کی مالش کی جس سے قدرے افاقہ ہوا ۔ حضرت الشیخ دوائیوں کا ایک بیگ مستقل اپنے ساتھ رکھتے تھے ، اس میں سے ایک دوا کا استعمال فرمایا لیکن آپ نے محسوس فرمایا کہ یہ تکلیف ایک دوسری نوعیت کی ہے اور ان دواؤں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ۔ حضرت کی یہ کیفیت دیکھ کر سید محمد بنوری بے حد پریشان ہوئے اور راولپنڈی حضرت شیخ القرآن کو فون کر کے حضرت شیخ کی شدید علالت کی اطلاع دی ۔

حضرت شیخ القرآن مرحوم فوراً آپ کی قیام گاہ پر پہنچے اور بعجلت تمام آپ کو پولی کلینک ہسپتال لے گئے وہاں ڈاکٹر شوکت صاحب نے آپ کا معائنہ کیا آپ کے مرض کی تشخیص کر کے آپ سے ہسپتال میں داخل ہونے کی درخواست کی جسے آپ نے منظور نہ فرمایا ڈاکٹر صاحب موصوف نے عزیز محمد بنوری کو بتایا کہ حضرت کے قلب پر اثر پڑا ہے اور تین روز تک شدید احتیاط کی ضرورت ہے اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب سے چند ضروری ادویات لے کر آپ واپس اپنی قیام گاہ تشریف لے آئے حضرت کی ناسازگار طبیعت کی وجہ سے آپ کے تمام پروگرام منسوخ کر دئے گئے اور آپ سے مکمل آرام کی درخواست کی گئی ۔

ڈیڑھ بجے کے قریب آپ نے تھوڑی سی مقدار میں دلیہ تناول فرمایا اور ساتھ ہی گرانی کی شکایت بھی کی نماز ظہر کی ادیگی کے لئے وضو فرمانے حمام میں تشریف لے گئے وضو خانے سے آپ نیم بے ہوشی کی حالت میں کمرے میں تشریف لائے ، دل کا شدید دورہ پڑا تھا ۔ اس دورے کی شدت کا یہ حال تھا ، کہ حضرت عالم اضطراب میں بار بار کروٹیں بدلتے تھے اور زبان سے استغفر اللہ العظیم کا بلند آواز میں ورد جاری تھا ۔

درد والم اس شدت کا تھا کہ جسم پسینے میں ڈوب گیا ۔ حضرت کا لباس اور بستر تک گیلے ہوگئے اسی دوران اسلامی مشاورتی کونسل کے چیئرمین جسٹس محمد افضل چیمہ ، مولانا سید سیاح الدین کاکاخیل اور مولانا محمد تقی عثمانی بھی پہنچ گئے ۔

جسٹس محمد افضل چیمہ نے سی ۔ ایم ۔ ایچ ۔ راولپنڈی میں داخلہ کے لئے متعلقہ حکام سے رابطہ قائم کیا ۔ ہسپتال کی طرف سے ایمبولینس بھیجنے اور پہنچنے میں مجرمانہ غفلت کا ثبوت دیا گیا ۔

عالم اسلام کی مایہ ناز عبقری شخصیت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے دارالخلافہ اسلام آباد کے اہم ترین مقام ایم این اے ہاسٹل میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھی اور بروقت ایک عدد ایمبولینس نہ مل سکی ۱۹۷۶ء میں واشنگٹن کے گورنر والیس پر قاتلانہ حملہ ہوا تو اخبار نویس موقعہ واردات پر صرف تین منٹ میں پہنچ گئے جب کہ ایمبولینس ساڑھے چار منٹ میں پہنچی اس معمولی سی تاخیر کو اتنی بڑی کوتاہی اور تقصیر قرار دیا گیا کہ پورا امریکی پریس چیخ اٹھا ۔

مغرب میں انسانی جان کا اس قدر احترام ہے ہر ذی روح کی سانسیں ایک مقررہ تعداد میں طے کی جا چکی ہوتی ہیں ۔ جن میں کمی و بیشی کا قطعاً امکان نہیں لیکن ظاہری اسباب کی فراہمی سے ایک گونہ طمانیت تو ضرور حاصل ہوجاتی ہے ۔ بہرحال حضرت شیخ کو دوپہر

اڑھائی بجے کے بعد سی۔ایم۔ایچ کے آئی۔ٹی۔سی یونٹ میں داخل کیا گیا۔ڈاکٹروں کے بس میں جو کچھ تھا انہوں نے ہر ممکن کوشش کی علاج معالجہ کا اہتمام کیا ملاقاتوں پر شدید پابندی لگادی۔رات کو قدرے طبیعت میں سکون آیا تو مفتی زین العابدین صاحب مولانا محمد اشرف صاحب پشاوری اور میاں محمد اقبال کو تھوڑی دیر کے لئے حضرت کی زیارت کی اجازت دی گئی۔ اس وقت حضرت کو آکسیجن لگی ہوئی تھی۔ان حضرات کو دیکھ کر آپ مسکرائے اور فرمایا ڈاکٹروں نے ہمیں نظر بند کردیا ہے۔رات کو ہسپتال کے لان میں مولوی حسین علی صاحب اور حافظ محمد رفیق صاحب مع ایک گاڑی کے کسی فوری ضرورت کے لئے موجود رہے۔رات کو ساڑھے گیارہ بجے کے قریب کچھ دوائیاں منگوائی گئیں۔

۱۶ اکتوبر کی صبح حضرت الشیخ کی طبیعت پہلے سے قدرے بہتر تھی کچھ حضرات کو ملاقات کی اجازت بھی مل گئی۔ حضرت الشیخ کی علالت کی خبر آپ کے اعزاء واحباب کو بذریعہ فون دے دی گئی تھی۔

چنانچہ اسی روز پشاور سے مولانا محمد جان بنوری اور سید خالد بنوری (حضرت کے داماد، اور بھانجے) بھی پہنچ گئے کراچی سے آپ کے خصوصی معالج اور دوست ڈاکٹر عبد الصمد اور آپ کے ایک اور دیرینہ دوست سردار میر عالم خان لغاری بھی پہنچ گئے۔آپ کو ان حضرات کے آنے کی اطلاع دے دی گئی آپ کے اعزاء واحباب، آپ کے منتسبین اور متوسلین بار بار ڈاکٹروں سے آپ کی کیفیت جاننے کے لئے بے قرار تھے۔

ڈاکٹروں کی طرف سے حالت تسلی بخش ہونے کا اظہار کیا جاتا رہا۔رات کو گیارہ بجے ڈاکٹر عبد الصمد صاحب نے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم کے ہمراہ آپ کا خصوصی چیک اپ کیا علاج جس طریقے سے ہو رہا تھا انہوں نے اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا لیکن حضرت شیخ کو دل کی تکلیف جس شدت کے ساتھ ہوئی تھی اس کے عود کرنے کا بھی خطرہ تھا، اس بنا پر ڈاکٹر یقین اور وثوق کے ساتھ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے یاس وطمانیت کے ملے جلے الفاظ سے حضرت شیخ کی کیفیت کا اظہار کر رہے تھے۔

رات کو بارہ بجے کے بعد انچارج ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر کہ حضرت شیخ کی طبیعت اب قدرے پرسکون ہے اور یہ کہ اس یونٹ میں کسی شخص کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، معذرت کر کے تمام حضرات کو باہر جانے کی ہدایت کی حضرت شیخ کے کسی بھی عزیز دوست یا شاگرد کی حضرت شیخ سے یہ آخری ملاقات تھی ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء پیر کی صبح پانچ بجے وہ وقت آن پہنچا جس کا پہنچنا ہر ذی روح کے لئے مقدر ومعین ہے۔

دل کا آخری اور جان لیوا دورہ پڑا اور آپ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

حضرت شیخ کی زندگی کے ان آخری لمحات کے بارے میں ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹروں اور دوسرے سٹاف سے جب صبح استفسار کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت شیخ کو دوائیاں دینے کی بہت کوشش کی لیکن آپ نے انکار فرمادیا۔ فرمایا دوائی بس کرو ہمارا عالم بالا سے رابطہ ہوچکا ہے مہمان لینے کے لئے آگئے ہیں ہم تو چلے، یہ فرما کر بلند آواز سے کلمہ شریف پڑھا، اور السلام علیکم کہہ کر قبلہ رو ہوگئے حضرت شیخ کے فرزند اکبر سید محمد بنوری کی روایت ہے کہ ابا جان مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ میں مرتے وقت تک بولتا رہوں گا میرے بولنے سے اندازہ مت لگاؤ مت میری صحت کتنی گر چکی ہے پھر مزید فرمایا کہ

میں اللہ سے یہی دعا کرتا ہوں کہ جب تک میری حیات باقی ہے کسی کا محتاج نہ رہوں اور میری زندگی اگر مقدر ہو تو چار چیزوں کے ساتھ (۱) صحت (۲) قوت (۳) ہمت اور (۴) توفیق مرضیات

یہی چاروں چیزیں لازم وملزوم ہیں - حالات وواقعات اس امر پر شاہد ہیں کہ حضرت الشیخ کے سانحہ ارتحال کی خبر سب سے پہلے ہسپتال والوں کی طرف سے مارشل لاء حکام کو دی گئی اور اس کے بعد جسٹس محمد افضل چیمہ کو، جسٹس صاحب موصوف نے یہ خبر آپ کے اعزہ واحباب تک پہنچائی - یہ خبر آن واحد میں پورے شہر میں آگ کی طرح پھیل گئی دوپہر بارہ بجے ریڈیو پاکستان کی طرف سے آپ کی وفات حسرت آیات کا اعلان مسلسل ہوتا رہا اس خبر کا نشر ہونا تھا - کہ پورا عالم اسلام غم واندوہ اور حزن وملال کی تصویر بن گیا تھا حیرت واستعجاب، تحیر و تحوک اور اضطراب و کرب کا مجسمہ بن گیا مشتاقان دید اور عاشقان قلب بدست ملک کے مختلف علاقوں سے راولپنڈی میں جمع ہونا شروع ہوگئے - ان میں دینی مدارس کے اساتذہ وطلبہ بھی تھے اور خانقاہوں کے صلحاء، واتقیاء بھی مساجد کے ائمہ اور اخبارات ومجلات کے صحافی وادباء بھی کلیدی مناصب پر فائز اعلیٰ سرکاری حکام بھی اور کاروباری شخصیات بھی اور ہزاروں عوام بھی جنہیں کوئی جانتا نہ تھا، مگر وہ اپنے دلوں کی دنیا کا ماتم کرتے ہوئے راولپنڈی کھنچے چلے آرہے تھے -

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے اعزہ واحباب، مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے اساتذہ کرام اور مسجد کمیٹی کے ارکان کی باہمی مشاورت سے طے پایا کہ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی آخری آرام گاہ آپ کی علمی یادگار کے پہلو میں تیار کی جائے -

آپ کی تجہیز وتکفین کا سامان بھی اسی مناسبت سے کیا جانے لگا - جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ راولپنڈی میں ہسپتال سے آپ کے جسد اطہر رکھا گیا، ظہر کی نماز سے قبل حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم نے جنہیں اکابر اور صلحائے امت سے والہانہ تعلق خاطر تھا ایک پر درد مرثیہ انداز میں آپ کے احوال اور ماثرات صالحہ کا ذکر کیا حضرت شیخ القرآن خود بھی ہچکیاں لے لے کر رو رہے تھے اور سامعین بھی اپنے دلوں پر ہاتھ رکھے مجسمہ ہائے آہ وبکا بنے ہوئے تھے - نماز ظہر کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب قدس سرہ العزیز (اکوڑہ خٹک) نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، روحانی اور دینی کارناموں پر بڑے مؤثر انداز میں تقریر فرمائی ٹھیک تین بجے آپ کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی گئی -

آدھ گھنٹہ تک مشتاقان دید حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ انور کے ملکوتی حسن کے حضور باچشمہائے غمناک عشق و شیفتگی کا نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے ٹھیک ساڑھے تین بجے تابوت بند کردیا گیا چار بجے ایرپورٹ روانہ ہونے اس قافلہ غمستان اور جماعت دل گرفتگان میں مولانا قاری محمد سعید الرحمان صاحب، مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اور محترم ڈاکٹر عبدالصمد شامل تھے - جہاز شام سوا چھ بجے اسلام آباد ایرپورٹ سے روانہ ہوا رات آٹھ بجے اس نے اپنی جبین نیاز کراچی کے مطار پر رکھ دی، گویا آہنگری کا یہ شاہکار بھی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کو آخری سلام پیش کررہا ہو!

اہل کراچی کو حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی علالت کی لحہ بہ لحہ ٹیلی فون کے ذریعہ اطلاع مل رہی تھی وہ اپنے دلوں کی دنیا کی بے تابی اور اپنی آنکھوں کی کرب انگیز غمناکی کے ساتھ مصروف دعوات وختمات ہوگئے -

زبانیں سراپا التجاء والحاح بن گئیں اور دل ارتعاب واضطراب کے پیکر ان کے ظاہری اجساد کراچی میں مقیم تھے لیکن ان کے

قلوب وارواح ایک ہزار میل کے بُعد پر واقع اسلام آباد کا طواف کر رہے تھے ۔

وحبب فان الحب داعیة الحب ------ وکم من بعید الدار مستوجب القرب

پھرے ۱۱ اکتوبر کی صبح کو وہ لمحہ جانکاہ آن پہنچا جس میں وہ برچھی جگر کے پار ہو گئی جس کی خلش گذشتہ تین دنوں سے دلوں کو زخمی کر رہی تھی ۔ قضا کے ہاتھوں چلا ہوا تیر دل میں معلق ہو گیا وہ رعد جو ایک ہفتہ سے اپنی خوفناک کڑک سے دلوں کو دہلا رہی تھی اس نے دلوں کی دنیا خاکستر کر کے رکھ دی آپ کے متعلقین ومتوسلین کے لئے یہ محض ایک سنگین سانحہ نہ تھا بلکہ اپنے دامن میں صدہائے سانحات کو لئے ہوئے تھا ۔

مصائب شتی جمعت فی مصیبة

صبت علی مصائب لوانہا

صبت علی الایام لصرن لیالی

اور یا پھر

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تھدما

بہر حال حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا جسد اطہر جب کراچی پہنچا تو اہل کراچی دل تھام کے رہ گئے کراچی آمد اور پھر تدفین کے آخری مرحلے کی روئیداد حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی ومعنوی فرزند محترم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب کی زبان سے سنیے

"جب جہاز رن وے پر رکا تو ہم لوگ وہیں کھڑے تھے جہاز رکتے ہی جب ڈگمگاتے قدم آگے بڑھے تو دل بے قابو ہو رہا تھا ٹھنڈا پسینا جاری تھا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے اور اچانک ایک ایسا چکر آیا کہ اگر قدم نہ روکتا تو گر جاتا اور جب حواس قابو میں آئے تو پھر آگے بڑھے اس وقت بجائے چمکتے روشن اور پُر نور چہرے کے سفید تابوت سامنے تھا ، جس کے آتے ہی آہ و بکا کا بازار گرم ہو گیا نہ معلوم مخلوق خدا کہاں سے امڈ آئی تھی ۔ اہالیان کراچی نے اتنا بڑا مجمع شاید ہی کسی جنازے میں دیکھا ہو گا ۔ ایئر پورٹ سے معلوم نہیں کہاں تک موٹروں ٹیکسیوں سکوٹروں اور موٹر سائیکلوں پر سوگواروں ، یتیموں اور پروانوں کا ایک ہجوم تھا ہر آنکھ پر نم ہر دل شکستہ تھا ۔ افتاں وخیزاں بنوری ٹاؤن پہنچے تو گاڑی کو اندر لانا مشکل ہو گیا ۔

آدھا گھنٹہ کی تگ ودو کے بعد تابوت گھر لے جایا گیا وہاں ایک کہرام برپا تھا ۔ تابوت کھلا اور بے قرار دلوں کی بیقراری اور بڑھ گئی ۔ آنسوؤں کی جھڑی اور تیز ہو گئی ، آہ و بکا کی آواز سے فضا تھرانے لگی بمشکل تمام جلدی نماز جنازہ کا انتظام ہوا ۔

چونکہ برادرم سید محمد بنوری نے پنڈی میں نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی اس لئے محترم ڈاکٹر عبدالحی صاحب (مرحوم) نے ان کی اجازت سے نماز جنازہ پڑھائی اور سوگواروں کا بے پناہ ہجوم پروانہ وار اس ذات قدسی صفات کو اس کی آخری آرام گاہ کی طرف لے چلا اور اس طرح وہ منبع انوار جو زندگی بھر تو مسجد کے بائیں جانب قیام پذیر رہا خدا نے اسے اب مسجد کی دائیں جانب منتقل کر دیا ۔ جہاں ہر وقت سلام پڑھنے والوں اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

عشق رسول کا یہ حال تھا کہ روضہ رسول ﷺ کی خاک پاک محفوظ کر رکھی تھی، ساتھ ہی چراغ میں جلنے والا تیل اور بیت اللہ کے غلاف کا ٹکڑا اور خانہ کعبہ کی چھت کی لکڑی اور جس ملفوف میں یہ قیمتی اشیاء محفوظ کر رکھیں تھی اس پر یہ وصیت تحریر فرمار کھی تھی کہ اس خاک پا کو میری آنکھوں کا سرمہ ، تیل کو کفن کا عطر ، غلاف کعبہ کو کفن کی زینت اور خانہ خدا کی چھت کی لکڑی کو قبر میں رکھ دیا جائے۔

الحمدللہ ان سب وصیتوں پر حسب ہدایت عمل کیا گیا۔

اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله واجعله من ورثة جنة النعيم واجعل مرقده روضة من رياض الجنة وافض عليه من شابيب رحمتک وعفوک ورضوانک وادخله الجنة جنة الفردوس بغيرحساب

اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده واسقنا من علومه وبركاته وتقو'ه آمين يا رب العالمين بفضلک وکرمک وجودک واحسانک ويرحم الله عبدا قال آمينا